ذوالحجہ ۱۴۳۷ھ
ستمبر ۲۰۱۶ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

جشنِ آزادی
اور شکر گزاری کے تقاضے

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

امام یحییٰ بن شرف الدین النوویؒ کے مجموعۂ احادیث

اربعینِ نووی رحمۃ اللہ علیہ
کی تشریح و توضیح پر مشتمل
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے خطاباتِ جمعہ

دیدہ زیب ٹائٹل ۞ امپورٹڈ بک پیپر ۞ معیاری طباعت
۞ 852 صفحات ۞ دو حصوں پر مشتمل ضخیم کتاب
۞ قیمت 600 روپے

خود پڑھیے ...... احباب کو تحفہ میں دیجیے!

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-35869501
email: maktaba@tanzeem.org website: www.tanzeem.org

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 65

شمارہ : 9

ذوالحجہ 1437ھ

ستمبر 2016ء

فی شمارہ 30/-

مدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

- اندرون ملک 300 روپے
- بھارت وبنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000 ' ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ ' گڑھی شاہو لاہور

فون: 36366638 - 36316638

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

- **عرضِ احوال** — 5
  - جشنِ آزادی اور شکرگزاری کے تقاضے — حافظ عاکف سعید
- **بیانُ القُرآن** — 9
  - سورۃ الشُّعراء (آیات ۶۹ تا ۱۷۵) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ
- **تذکّر و تدبّر** — 25
  - قرآن کریم کی اُصولی باتیں (۱۲) — ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل
- **کَلَّآ اِنَّھَا تَذْکِرَۃٌ** — 35
  - قرآن حکیم، سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ — مولانا محمد تقی عثمانی
- **تذکیر و موعظت** — 42
  - ایمان میں تقویت پہنچانے والے پانچ اعمال — محسن سلام شیخ
- **دعوت و تحریک** — 47
  - انفرادی دعوت: اصول وطریقہ کار — حافظ سید اسامہ علی
- **پُھول پُھول خوشبو** — 55
  - سیدنا بلال رضی اللہ عنہ — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
- **اصلاحِ معاشرہ** — 60
  - جہیز یا نقد رقم کے مطالبے پر ایک فتویٰ — مولانا برہان الدین سنبھلیؒ
- **دعوتِ فکر** — 81
  - مسلم ممالک میں قومی تشخّص کی تلاش میں بھٹکتی نسلیں — پروفیسر تسنیم احمد
- **یادِ رفتگاں** — 91
  - حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں (۹) — پروفیسر حافظ قاسم رضوان

❁ ❁ ❁

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

جشنِ آزادی اور شکر گزاری کے تقاضے

پاکستان کا ۶۹ واں یومِ آزادی حسبِ روایت منایا گیا۔ بلاشبہ قومی اعتبار سے اس سے بڑا دن کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں ۲۷ رمضان المبارک کو اپنا یومِ آزادی قرار دینا چاہیے تھا‘ اس لیے کہ وہ مبارک شب تھی‘ مبارک دن تھا اور مبارک مہینہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملک کا تحفہ عطا کیا تھا۔ لیکن ہم نے پہلے دن سے ہی اس کو اور رنگ دے دیا۔ بجائے ۲۷ رمضان کے ۱۴ راگست کو یومِ آزادی قرار دیا‘ جس کے نتیجے میں اسلام کے ساتھ ہمارا تعلق کمزور سے کمزور تر ہوتا چلا گیا۔ بہرحال جشنِ آزادی ایک تہوار کی صورت میں منانا ہمارے ہاں روایت بن چکی ہے‘ جبکہ زندہ اور باشعور قوموں کا یہ شیوہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر اپنا محاسبہ بھی کرتی ہیں کہ ہماری منزل کہاں تھی اور ہم کہاں پہنچ گئے۔ خاص طور پر ایک ایسی قوم جس نے ایک نظریہ کی بنیاد پر اپنا ملک حاصل کیا ہو اور ایک نصب العین کی خاطر تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت کی ہو اور بے مثال قربانیاں پیش کی ہوں‘ اس پر تو لازم ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کرتی رہے۔ اگر ہم اپنے بنیادی نصب العین اور نظریہ کو مدنظر رکھتے ہوئے آگے بڑھتے تو آج ایک متحد و منظم اور مضبوط و توانا قوم ہوتے‘ دنیا ہماری ترقی اور خوشحالی پر رشک کرتی‘ لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنی بنیاد پر بھی لڑ رہے ہیں کہ پاکستان بنا کس لیے تھا؟ جو قوم اپنی بنیاد پر لڑ رہی ہو اس کے اتحاد کی عمارت زیادہ دیر تک کیوں کر کھڑی رہ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف اڑھائی عشروں کے اندر ہم نے آدھا پاکستان کھو دیا اور باقی ماندہ ملک میں بھی انتشار و تفریق‘ تقسیم و تخریب کا راج ہے۔ کہیں نسلی‘ لسانی اور علاقائی عصبیتیں ملک کی اساسی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہیں اور کہیں نظریاتی کشمکش بے یقینی اور عدم تحفظ کے احساس کو پروان چڑھا کر ملک و قوم کے مستقبل کو اندھیروں میں جھونک رہی ہے۔ غربت‘ بے روزگاری‘ دہشت گردی‘ کرپشن‘ بھتہ خوری‘ اغواء برائے تاوان‘ ٹارگٹ کلنگ‘ فحاشی و عریانی کا سیلاب‘ ڈرون حملے‘ علیحدگی پسند تحریکیں‘ اندرونی اور بیرونی سازشیں‘ زلزلے اور سیلاب‘ اور نہ جانے کون کون سے عذاب ہیں جو اس قوم اور ملک پر مسلّط ہو چکے ہیں۔ یہ سب کیوں ہے؟ اس کی اصل وجہ جاننے کے لیے ضروری تھا کہ ہم اصل ہدایت کی طرف رجوع کرتے جو تمام اقوامِ عالم کے لیے ہدایت و راہنمائی کا سرچشمہ ہے‘ لیکن بجائے اس کے ہم آج بھی اپنے مسائل کا حل سیکولرازم اور لبرل ازم میں تلاش کر رہے ہیں اور اس اندھے سراب میں کود کر مزید تباہیوں کو آواز دینے کے لیے اپنے بنیادی نظریہ اور نصب العین کی جڑ کاٹنے کی پوری تیاری کر رہے ہیں۔ جبکہ قرآن واضح طور پر پکار رہا ہے:

”(اے لوگو!) اب ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل کر دی ہے‘ اس میں تمہارا ذکر ہے‘ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟“ (الانبیاء:۱۰)

قرآن مجید میں ہر قوم کا تذکرہ اور اس کی ہدایت اور راہنمائی کا سامان موجود ہے۔ اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو ہمارے تمام مسائل و مصائب‘ عذابوں اور گردابوں کی اصل وجہ اور ان سے نکلنے کا حل‘ حتیٰ کہ پوری تاریخ پاکستان سمٹ کر صرف ایک آیت میں سامنے آجاتی ہے:

”اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑی تعداد میں تھے اور زمین میں دبا لیے گئے تھے۔“ (الانفال:۲۶)

اس آیت میں اصل تذکرہ تو ان مسلمانوں کا ہے جو مشرکینِ مکّہ کے مظالم سہہ رہے تھے‘ لیکن قرآن چونکہ تمام بنی نوعِ انسان کے لیے قیامت تک سراپا ہدایت ہے‘ اس لیے اس کے مخاطب ہم بھی ہیں۔

قیامِ پاکستان سے قبل مسلمانانِ برصغیر کی بعینہٖ وہی حالت تھی جو مکہ کے مسلمانوں کی تھی۔ برصغیر پر مسلمانوں نے اگرچہ ساڑھے آٹھ سو سال تک حکمرانی کی‘ لیکن انگریزوں کی غلامی میں آکر وہ بدترین اقلیت میں بدل گئے تھے۔ چونکہ انگریزوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی مسلمان ڈٹ کر انگریز کے قبضہ کے خلاف لڑے تھے‘ اس لیے انگریزوں نے اس کا بدترین انتقام مسلمانوں سے لیا اور انہیں ہر شعبۂ زندگی میں پسماندہ تر کر دیا۔ جبکہ divide and rule فارمولے کے تحت انگریزوں نے ہندوؤں کو اُٹھایا‘ انہیں مسلمانوں کے خلاف کھڑا کیا اور سیاست‘ تجارت‘ معاش اور معاشرت سمیت ہر شعبۂ زندگی میں ان کو مسلمانوں پر ترجیح دی گئی۔ چنانچہ انگریزوں کی اس پشت پناہی کے باعث ہندو نہ صرف جاگ اُٹھے تھے بلکہ ان کے دلوں میں بھی مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھی بھڑک اُٹھی اور مسلمان اب دوہری غلامی میں پس رہے تھے۔

آیت کے اگلے الفاظ یہ ہیں: ”تمہیں اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اُچک لے جائیں گے۔“

انگریزوں نے تاریخ کے نام پر ہندوؤں کو باور کرا دیا تھا کہ باہر سے تھوڑے ہی مسلمان ہندوستان میں داخل ہوئے تھے‘ باقی سب ہندو نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں نے ان کو دوبارہ ہندومت میں ضم کرنے کے لیے شدھی اور سنگھٹن تحریکیں پورے ہندوستان میں زور شور کے ساتھ جاری کی ہوئی تھیں۔ ہندوستان کے کئی علاقوں میں مسلمان ان تحریکوں کا لقمہ بن کر یا تو جانوں سے ہاتھ دھو رہے تھے یا پھر ارتداد کے مرتکب ہو رہے تھے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے مولانا الیاسؒ کو اٹھایا اور انہوں نے ہندوؤں کی اس سازش کے آگے روک لگائی تھی۔ لیکن اس کے باوجود کئی علاقوں میں مسلمان ہندو تحریکوں کا شکار ہوئے۔ جو باقی بچے تھے انہیں بھی ووٹ کی بنیاد پر اپنی حیثیت مٹتی ہوئی محسوس ہوتی تھی اور پورے برصغیر میں مسلمانوں کو خدشہ لاحق تھا کہ وہ اقلیت بن کر ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کے غلام بن جائیں گے۔ لیکن آیت کہہ رہی ہے: ”تو اللہ نے تمہیں پناہ کی جگہ دے دی اور تمہاری مدد کی اپنی خاص نصرت سے۔“

بظاہر کوئی اُمید نہیں تھی کہ مسلمان برصغیر میں دوبارہ سر اُٹھا سکیں گے۔ خدشہ تھا کہ اگر انگریز کی غلامی سے نکل بھی گئے تو ہندو اکثریت کی تلوار ان کے سروں پر ہمیشہ لٹکتی رہے گی۔ کانگریس ہندو اکثریت کی

نمائندہ جماعت تھی جس میں وقت کے نامور اور بڑے بڑے مسلم قائدین بھی شامل تھے' جبکہ مسلم لیگ صرف نوابوں کا ایک ٹولہ تھا۔ جماعت احرار' خاکسار گروپ اور علمائے ہند کی ایک بڑی تعداد مسلم لیگ سے الگ تھی۔ ہندو نہ صرف تقسیم برصغیر کے خلاف تھے بلکہ وہ مسلمانوں کو بحیثیت علیحدہ قوم تسلیم کرنے سے ہی انکاری تھے۔ انگریز سرکار بھی ظاہری و باطنی طور پر ہندو اکثریت کے ساتھ تھی۔ ان حالات میں ممکن ہی نہیں تھا کہ پاکستان بن جاتا' مگر جب ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!'' کے نعرے برصغیر کی فضاؤں میں گونجنا شروع ہوئے تو مسلم لیگ کو ایک نئی قوت میسر آئی۔ قائداعظم جو حالات سے مایوس ہوکر واپس لندن جا چکے تھے' علامہ اقبال کی سفارش پر واپس آئے اور انہوں نے مسلمانوں کی قیادت سنبھال لی اور بالآخر ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو رمضان کی ستائیسویں شب میں پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔ ایسا صرف اور صرف اللہ کی مدد اور تائید سے ممکن ہوا تھا۔ اس کا اعتراف خود قائداعظم نے بھی اپنے بالکل آخری دور میں کیا۔ بقول ڈاکٹر ریاض علی شاہ (جو قائداعظم کے معالجوں میں شامل تھے) ایک دن قائد نے فرمایا: ''جب مجھے احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن گیا تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ مجھے کتنی خوشی ہوتی ہے اور میری روح کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی تائید اور رسولِ خدا ﷺ کے فیضان کے بغیر ممکن ہی نہیں تھا''۔ اگلے الفاظ پاکستان کے اصل مستقبل کے حوالے سے بہت زیادہ اہم ہیں جو یہ تھے: ''اب مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ یہاں پر خلافت راشدہ قائم کریں۔''

بہرحال آیت کے اگلے الفاظ میں قرآن کہہ رہا ہے: ''اور تمہیں بہترین پاکیزہ رزق عطا کیا''

برصغیر کے مسلمانوں کو بھی اللہ نے پاکستان کی صورت میں دو آزاد خطے عطا کیے تھے' جن میں وہ تمام نعمتیں موجود ہیں جو شاید ہی دنیا کے کسی ملک کو مکمل میسر ہوں۔ ایسی خاص نعمتیں جب کسی قوم کو عطا کی جاتی ہیں تو اصل میں یہ ان کے لیے سخت آزمائش بھی ہوتی ہے۔

آیت کے آخری الفاظ ہیں: ''تاکہ تم شکر ادا کرو''۔ پاکستانی قوم پر شکرگزاری کا تقاضا تھا کہ وہ اللہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کرتی۔ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر اللہ کی حاکمیت مانی جاتی اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا نظام قائم کیا جاتا۔ ویسے بھی مسلمان کسی علاقے میں ہوں اور وہاں اللہ کا دین نافذ نہ کریں تو باغی ہیں' اور جس قوم پر اللہ نے اتنا بڑا احسان کیا ہو تو اس پر تو لازم تھا کہ شکرگزاری کے طور پر اپنا وعدہ پورا کرتی۔ چنانچہ سورۃ الانفال کی اگلی آیت اپنے مقام اور موضوع کے اعتبار سے خاص طور پر پاکستانی قوم کے لیے نازل ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

''اے اہلِ ایمان! مت خیانت کرو اللہ سے اور رسول (ﷺ) سے اور نہ ہی اپنی (آپس کی) امانتوں میں خیانت کرو جانتے بوجھتے۔'' (الانفال: ۲۷)

لیکن لا الٰہ الا اللہ کے عملی نفاذ سے منہ موڑ کر ہم اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ بھی خیانت کے مرتکب ہوئے اور قومی امانتوں میں بھی ہم نے جی بھر کر خیانت کی۔ حالانکہ قائداعظم نے قیامِ پاکستان کے فوراً

بعد علامہ اسد کو انسٹیٹیوٹ آف ریکنسٹرکشن آف اسلامک سسٹم کے نام سے ادارہ بنا کر پورے سسٹم کو اسلامائز کرنے کے اہم کام پر مامور کیا تھا۔ علامہ اسد نے کام جاری رکھا' لیکن قائداعظم کی وفات کے بعد بیوروکریسی نے خیانت (کرپشن) کا آغاز سب سے پہلے اسی اہم ادارے سے شروع کیا جس کے ذمہ پورے سسٹم کو اسلامائز کرنا تھا۔ چنانچہ بیوروکریسی نے سوچی سمجھی سازش کے تحت علامہ اسد کو سفیر بنا کر بیرون ملک بھیج دیا اور پیچھے ان کا کیا ہوا سارا کام جلا کر راکھ بنا دیا۔ قائداعظم واضح طور پر سسٹم کو اسلامائز کرنے کے خواہاں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بالکل آخری وقت میں ''خلافتِ راشدہ'' کا لفظ خاص طور پر استعمال کر کے تلقین کر دی تھی کہ پاکستان کا نظام کیا ہوگا۔ نیز آپ نے پاکستان کے معاشی نظام کو بھی اسلامائز کرنے کے لیے سٹیٹ بینک پشاور کی بلڈنگ کے افتتاح کے موقع پر واضح فرمایا تھا: ''مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کے لیے لاینحل مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ ہمیں دنیا کے سامنے ایک مثالی معاشی نظام پیش کرنا ہے جو انسانی مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر قائم ہو۔''

بحیثیتِ قوم یہ ہمارا عظیم المیہ ہے کہ ہم نے ناشکری کی آخری حدوں کو بھی پار کر دیا۔ یہاں تک کہ سودی نظام کی صورت میں اللہ اور رسول ﷺ سے علانیہ جنگ جاری رکھی۔ نتیجہ میں آج آدھا پاکستان جو بچا ہے اس میں جو حالات ہیں' انہیں دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کیوں ہے؟ قرآن ہمیں یہ بھی بتا رہا ہے:

''اور اللہ نے مثال بیان کی ہے ایک بستی کی جو بالکل امن و اطمینان کی حالت میں تھی' آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بافراغت ہر طرف سے تو اُس نے ناشکری کی اللہ کی نعمتوں کی تو اسے چکھا (پہنا) دیا اللہ نے لباس بھوک اور خوف کا' اُن کے کرتوتوں کی پاداش میں۔'' (النحل: ۱۱۲)

آج ہم پر بھی یہی دو عذاب بُری طرح سے مسلط ہیں۔ شہروں میں تو کچھ فلائی اوور' اورنج ٹرین کے منصوبے بن رہے ہیں' سڑکیں اچھی بن رہی ہیں لیکن مجموعی طور پر ملک کی نصف آبادی خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے اور اس شرح میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ عام آدمی کے ذرائع آمدن ہی نہیں ہیں۔ حکومت عوام کے روزگار' اس کی تعلیم' صحت' سکیورٹی کی ذمہ داری سے کنارہ کش ہو چکی۔ عالمی سطح پر ہماری حیثیت یہ ہے کہ دنیا میں ہمیں Failed Nation سمجھا جا رہا ہے۔ کئی دفعہ باتیں سامنے آئی ہیں کہ یہ ملک فلاں سن تک کئی حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ اس کو تقسیم کرنے کی سازشیں مسلسل چل رہی ہیں۔ جن کے ہم سب سے زیادہ وفادار بنتے ہیں' وہ سب سے زیادہ سازشوں میں شریک ہیں۔ یہ سب کچھ اپنے کرتوتوں کا ہی نتیجہ ہے۔ اب بھی موقع ہے۔ آج اگر ہم سچی توبہ کرتے ہوئے اللہ کے دین کو بطور نظام قائم کرنا اپنا ہدف بنا لیں تو' ان شاء اللہ' اللہ کی رحمت اور اس کی تائید ہمیں حاصل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ گارنٹی دے رہا ہے:

''اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور وہ تمہارے قدموں کو جما دے گا۔'' (محمد: ۷)

❁❁❁

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الشُّعَرَاء

آیات ۶۹ تا ۱۰۴

وَاتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ اِبۡرٰہِیۡمَ ﴿۶۹﴾ اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡہِ وَقَوۡمِہٖ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوۡا نَعۡبُدُ
اَصۡنَامًا فَنَظَلُّ لَہَا عٰکِفِیۡنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ ہَلۡ یَسۡمَعُوۡنَکُمۡ اِذۡ تَدۡعُوۡنَ ﴿۷۲﴾ اَوۡ
یَنۡفَعُوۡنَکُمۡ اَوۡ یَضُرُّوۡنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوۡا بَلۡ وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا کَذٰلِکَ یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ
اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۷۵﴾ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُکُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّہُمۡ عَدُوٌّ لِّیۡۤ
اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِیۡ خَلَقَنِیۡ فَہُوَ یَہۡدِیۡنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِیۡ ہُوَ یُطۡعِمُنِیۡ
وَیَسۡقِیۡنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضۡتُ فَہُوَ یَشۡفِیۡنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِیۡ یُمِیۡتُنِیۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡنِ ﴿۸۱﴾
وَالَّذِیۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیۡٓئَتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ ہَبۡ لِیۡ حُکۡمًا
وَّاَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴿۸۳﴾ وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۸۴﴾ وَاجۡعَلۡنِیۡ
مِنۡ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ ﴿۸۵﴾ وَاغۡفِرۡ لِاَبِیۡۤ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیۡنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخۡزِنِیۡ
یَوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۸۷﴾ یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ﴿۸۹﴾
وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِلۡغٰوِیۡنَ ﴿۹۱﴾ وَقِیۡلَ لَہُمۡ اَیۡنَمَا
کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۹۲﴾ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ ہَلۡ یَنۡصُرُوۡنَکُمۡ اَوۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿۹۳﴾ فَکُبۡکِبُوۡا
فِیۡہَا ہُمۡ وَالۡغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوۡدُ اِبۡلِیۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوۡا وَہُمۡ فِیۡہَا
یَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰہِ اِنۡ کُنَّا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۹۷﴾ اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۸﴾
وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنۡ شٰفِعِیۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِیۡقٍ حَمِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾

فَلَوۡ اَنَّ لَنَا کَرَّۃً فَنَکُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ
اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۰۴﴾

آیت ۶۹ ﴿وَاتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ اِبۡرٰہِیۡمَ ﴿۶۹﴾﴾ ''اور ان کو ابراہیمؑ کی خبر پڑھ کر سنایئے۔''

آیت ۷۰ ﴿اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡہِ وَقَوۡمِہٖ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۷۰﴾﴾ ''جب اُسؑ نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ یہ کن کو پوجتے ہو؟''

آیت ۷۱ ﴿قَالُوۡا نَعۡبُدُ اَصۡنَامًا فَنَظَلُّ لَہَا عٰکِفِیۡنَ ﴿۷۱﴾﴾ ''انہوں نے جواب دیا کہ ہم بُتوں کو پوجتے ہیں اور انہی کے سامنے گیان دھیان میں بیٹھے رہتے ہیں۔''

آیت ۷۲ ﴿قَالَ ہَلۡ یَسۡمَعُوۡنَکُمۡ اِذۡ تَدۡعُوۡنَ ﴿۷۲﴾﴾ ''اُسؑ نے پوچھا: کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟''

جب تم ان سے دعا کرتے ہو اور ان کے سامنے گڑگڑاتے ہو تو کیا وہ تمہاری دعائیں اور تمہاری باتیں سنتے ہیں؟

آیت ۷۳ ﴿اَوۡ یَنۡفَعُوۡنَکُمۡ اَوۡ یَضُرُّوۡنَ ﴿۷۳﴾﴾ ''یا وہ تمہیں کوئی نفع یا کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں؟''

وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان منطقی سوالات کا اس کے علاوہ کوئی جواب نہ دے سکے:

آیت ۷۴ ﴿قَالُوۡا بَلۡ وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا کَذٰلِکَ یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۴﴾﴾ ''انہوں نے کہا: بلکہ ہم نے اپنے آباء واَجداد کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔''

ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے ہوئے پایا ہے' چنانچہ ہم نے بھی ان کی پیروی میں وہی طریقہ اختیار کر لیا ہے۔

آیت ۷۵ ﴿قَالَ اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۷۵﴾﴾ ''ابراہیمؑ نے کہا: بھلا دیکھو تو! یہ جنہیں تم لوگ پوجتے ہو۔''

آیت ۷۶ ﴿اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُکُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ ﴿۷۶﴾﴾ ''تم اور تمہارے پہلے باپ دادا۔''

آیت ۷۷ ﴿فَاِنَّہُمۡ عَدُوٌّ لِّیۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۷﴾﴾ ''یہ سب میرے تو دشمن ہیں' سوائے ربّ العالمین کے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گویا علی الاعلان کہہ دیا کہ تمہارے اور تمہارے آباء واَجداد کے ان معبودوں سے میری دشمنی ہے۔ میرا معبود اور مددگار صرف وہ اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ میرا تکیہ اور توکّل بس اُسی کی ذات پر ہے۔

آیت ۷۸ ﴿الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝۷۸﴾ ''جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔''

آیت ۷۹ ﴿وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝۷۹﴾ ''اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔''

آیت ۸۰ ﴿وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝۸۰﴾ ''اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔''

یہاں یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور شفا کو اللہ تعالیٰ کی طرف۔

آیت ۸۱ ﴿وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۝۸۱﴾ ''اور وہی ہے جو مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔''

آیت ۸۲ ﴿وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝۸۲﴾ ''اور وہی ہے جس سے میں اُمید رکھتا ہوں کہ وہ روزِ جزا میری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔''

ابھی تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد اور اپنی قوم کے لوگوں سے مخاطب تھے۔ اب براہِ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں:

آیت ۸۳ ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝۸۳﴾ ''اے میرے پروردگار! تو مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے اپنے صالح بندوں میں شامل کر دے۔''

آیت ۸۴ ﴿وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝۸۴﴾ ''اور میرے لیے بنا دے سچی ناموری پچھلے لوگوں میں۔''

یعنی بعد میں آنے والی نسلیں میرا ذکر اچھے انداز میں کریں اور میرا نام عزت سے لیں۔

آیت ۸۵ ﴿وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ۝۸۵﴾ ''اور مجھے بنا دے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے۔''

آیت ۸۶ ﴿وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ۝۸۶﴾ ''اور میرے والد کو بخش دے یقیناً وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔''

آیت ۸۷ ﴿وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۝۸۷﴾ ''اور مجھے رسوا نہ کیجیو اُس دن جب سب لوگ اٹھائے جائیں گے۔''

آیت ۸۸ ﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝۸۸﴾ ''جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔''

جس دن اللہ کی پکڑ سے نہ دولت بچا سکے گی اور نہ اولاد۔

آیت ۸۹ ﴿اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝۸۹﴾ ''سوائے اُس کے جو آئے اللہ کے پاس قلبِ سلیم لے کر۔''

سلیم کے معنی ہیں: سلامتی والا۔ قلبِ سلیم یا فطرتِ سلیمہ سے ایسا دل، ایسی فطرت یا ایسی روح مراد ہے جو ہر قسم کی آلودگی سے پاک یعنی اپنی اصلی حالت پر ہو۔ قیامت کے دن جو شخص ایسے پاکیزہ دل کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہوگا اسے اس دن کی ہولناکیوں سے بچا لیا جائے گا۔

آیت ۹۰ ﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝۹۰﴾ ''اور جنت قریب لائی جائے گی متقین کے لیے۔''

آیت ۹۱ ﴿وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ۝۹۱﴾ ''اور جہنم بھی ظاہر کر دی جائے گی باغیوں کے لیے۔''

آیت ۹۲ ﴿وَقِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝۹۲﴾ ''اور اُن سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تم پوجا کرتے تھے؟''

آیت ۹۳ ﴿مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ ۝۹۳﴾ ''اللہ کے سوا۔ کیا اب وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا (تمہاری طرف سے) کوئی بدلہ لے سکتے ہیں؟''

آیت ۹۴ ﴿فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۝۹۴﴾ ''پھر اوندھے ڈال دیے جائیں گے اس (جہنم) میں وہ اور سب گمراہ لوگ۔''

آیت ۹۵ ﴿وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾﴾ ''اور ابلیس کے لشکر بھی سب کے سب۔''

آیت ۹۶ ﴿قَالُوْا وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾﴾ ''وہ کہیں گے' جبکہ وہ اس میں ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑ رہے ہوں گے:''

آیت ۹۷ ﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۷﴾﴾ ''اللہ کی قسم! یقیناً ہم ہی تھے کھلی گمراہی میں۔''

آیت ۹۸ ﴿اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۸﴾﴾ ''جب ہم تمہیں تمام جہانوں کے پروردگار کے برابر ٹھہراتے تھے۔''

جہنم میں تمام گمراہ لوگوں کو' ان کے معبودانِ باطل کو اور شیاطین جن کو اوپر تلے اوندھے منہ جھونک دیا جائے گا۔ یہاں وہ ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔ گمراہ لوگ اپنے معبودوں کو مخاطب کر کے اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے۔ وہ تسلیم کریں گے کہ انہیں اللہ ہی کو ربّ العالمین ماننا چاہیے تھا جو سب اختیارات کا مالک ہے اور وہی مغفرت بھی کر سکتا ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے اللہ کے مقابلے میں جھوٹے معبود گھڑ لیے' انہیں اللہ کے برابر ٹھہرا لیا اور یوں انہوں نے کھلی گمراہی میں پڑ کر خود کو برباد کر لیا۔

آیت ۹۹ ﴿وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾﴾ ''اور نہیں گمراہ کیا ہمیں لیکن ان مجرموں نے۔''

آیت ۱۰۰ ﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ ''تو اب یہاں ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔''

آیت ۱۰۱ ﴿وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾﴾ ''اور نہ کوئی مخلص دوست۔''

آیت ۱۰۲ ﴿فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ ''تو اگر ہمیں ایک مرتبہ لوٹنا نصیب ہو جائے تو ہم مؤمن بن جائیں گے۔''

آیت ۱۰۳ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔ لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔''

آیت ۱۰۴ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا رب بہت زبردست' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

آیات ۱۰۵ تا ۱۲۲

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾ ع

اب آگے انباء الرسل کا تذکرہ پھر اسی زمانی ترتیب سے ہو رہا ہے جس ترتیب سے پہلے سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں ہو چکا ہے۔ اس ضمن میں ہر رکوع کے آخر میں دو آیات ترجیعی کلمات کے طور پر بار بار دہرائی جائیں گی۔

آیت ۱۰۵ ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۰۵﴾﴾ ''جھٹلایا نوحؑ کی قوم نے بھی رسولوںؑ کو۔''

آیت ۱۰۶ ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾﴾ ''یاد کرو جبکہ ان سے ان کے بھائی نوحؑ نے کہا کہ کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے؟''

آیت ۱۰۷ ﴿اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''یقیناً میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔''

مجھے اللہ کی طرف سے تمہاری طرف جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے وہ میں بلا کم و کاست تم لوگوں تک پہنچا رہا ہوں۔

آیت ۱۰۸ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری

اطاعت کرو۔‘‘

واضح رہے کہ رسولؑ کی دعوت کے ہمیشہ دو حصے رہے ہیں۔ اس کا پہلا حصہ ہے: فَاتَّقُوا اللّٰـهَ یا اعْبُدُوا اللّٰـهَ یعنی اللہ کا تقویٰ اختیار کرو یا اللہ کی بندگی کرو! اور دوسرا حصہ ہے: وَاَطِیْعُوْنِ کہ میرا حکم مانو‘ میری اطاعت کرو! اس لیے کہ رسولؑ کی شخصی اطاعت لازم ہوتی ہے‘ جیسا کہ سورۃ النساء (آیت ۶۴) میں فرمایا گیا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰـهِ ؕ﴾ ’’اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسولؑ کو مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے‘‘۔ اس سورۂ مبارکہ میں یہ نکتہ ہر رسول کے حوالے سے بار بار دہرایا گیا ہے۔

آیت ۱۰۹ ﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ﴾ ’’اور میں اس پر تم سے کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں۔‘‘

﴿اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ ’’میری اجرت تو ربّ العالمین ہی کے ذمّے ہے۔‘‘

آیت ۱۱۰ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰـهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾﴾ ’’پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو!‘‘

آیت ۱۱۱ ﴿قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾﴾ ’’انہوں نے کہا: کیا ہم تمہاری بات مانیں جبکہ تمہاری پیروی کرنے والے گھٹیا لوگ ہیں!‘‘

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سردار اور اشراف آپؑ کی دعوتِ حق کے جواب میں کہتے تھے کہ ہم آپ کو کیسے مان لیں جبکہ آپ کی پیروی اختیار کرنے والے تو ہمارے کمّی کمین ہیں‘ ہمارے معاشرے کے پسماندہ طبقات کے لوگ ہیں جنہیں حقیر اور رذیل سمجھا جاتا ہے!

آیت ۱۱۲ ﴿قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ ’’نوحؑ نے کہا: مجھے کیا علم کہ وہ کیا کام کرتے ہیں!‘‘

یعنی تمہارے اپنے معیارات ہیں۔ تمہارے نزدیک عزت کا معیار دولت اور وجاہت ہے‘ اس لیے ایک غریب مزدور کو تم لوگ گھٹیا انسان سمجھتے ہو‘ مگر مجھے اس اعتبار سے کسی کے پیشے سے کوئی سروکار نہیں۔ یہی اعتراض سردارانِ قریش کو حضور ﷺ کے ساتھیوں کے بارے میں تھا۔ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ آپؐ پر ایمان لانے والوں میں اکثریت مزدوروں اور غلاموں کی

ہے۔ جیسے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ پیشے کے اعتبار سے لوہار تھے اور سردارانِ قریش ایک غریب لوہار کے ساتھ بیٹھنا کیسے گوارا کر سکتے تھے! بہرحال نہ تو مزدوری کرنا یا محنت سے اپنی روزی کمانا کوئی شرم کی بات ہے اور نہ ہی اس طرح کے پیشے سے کوئی آدمی گھٹیا ہو جاتا ہے۔

آیت ۱۱۳ ﴿اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ ’’ان کا حساب تو میرے رب کے ذمّے ہے‘ کاش کہ تم لوگوں کو شعور ہوتا۔‘‘

آیت ۱۱۴ ﴿وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ’’اور میں ان مؤمنین کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔‘‘

آیت ۱۱۵ ﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۵﴾﴾ ’’میں تو بس ایک صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔‘‘

آیت ۱۱۶ ﴿قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ ’’انہوں نے کہا: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔‘‘

آیت ۱۱۷ ﴿قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾﴾ ’’اُس نے فریاد کی: اے میرے پروردگار! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔‘‘

آیت ۱۱۸ ﴿فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُمْ فَتْحًا﴾ ’’تو اب دوٹوک فیصلہ فرما دے میرے اور ان کے مابین‘‘

یعنی ایسا کھلا فیصلہ جس کے بعد حق کے احقاق اور باطل کے ابطال میں کوئی شک یا ابہام نہ رہ جائے۔

﴿وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ’’اور نجات دے دے مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں اہلِ ایمان میں سے۔‘‘

آیت ۱۱۹ ﴿فَاَنْجَیْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾﴾ ’’تو ہم نے نجات دے دی اُس کو بھی اور ان کو بھی جو اُس کے ساتھ تھے ایک بھری کشتی میں۔‘‘

یہ کشتی پوری طرح بھری ہوئی تھی کیونکہ اس میں انسانوں (مؤمنین) کے علاوہ ہر قسم کے حیوانات کے ایک ایک جوڑے کو بھی سوار کر لیا گیا تھا تاکہ ان کی نسل کو محفوظ رکھا جا سکے۔

آیت ۱۲۰ ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾ ’’پھر ہم نے اس کے بعد باقی سب کو غرق کر دیا۔‘‘

آیت ۱۲۱ ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾﴾ ’’یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔‘‘

آیت ۱۲۲ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۲﴾﴾ ’’اور یقیناً آپؐ کا رب بہت زبردست‘ نہایت رحم والا ہے۔‘‘

آیات ۱۲۳ تا ۱۴۰

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ۚ اِنِّیْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ۚ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ
اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ؕ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ۙ وَتَتَّخِذُوْنَ
مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ۚ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ۚ وَاتَّقُوا الَّذِیْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ۚ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ۚۙ
وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳۵﴾ؕ قَالُوْا سَوَآءٌ
عَلَیْنَاۤ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ۙ
وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۱۳۸﴾ۚ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۴۰﴾ۧ

آیت ۱۲۳ ﴿كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾﴾ ’’قومِ عاد نے رسولوںؑ کو جھٹلایا۔‘‘

آیت ۱۲۴ ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ ’’جب ان کے بھائی ہودؑ نے ان سے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو!‘‘

آیت ۱۲۵ ﴿اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾﴾ ’’یقیناً میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسولؑ ہوں۔‘‘

آیت ۱۲۶ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾﴾ ’’پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری

اطاعت کرو۔‘‘

آیت ۱۲۷ ﴿وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾﴾ ’’اور میں تم سے اس پر کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں‘ میری اجرت تو تمام جہانوں کے رب ہی کے ذمے ہے۔‘‘

آیت ۱۲۸ ﴿اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾﴾ ’’کیا تم لوگ تعمیر کرتے ہو ہر اونچی جگہ پر ایک یادگار‘ عبث کام کرتے ہو۔‘‘

تم لوگ بغیر کسی مقصد اور افادیت کے جگہ جگہ بڑی بڑی عمارتیں محض اپنی یادگاروں کے طور پر تعمیر کر دیتے ہو۔ یہ فضول ریت ہر تمدن اور ہر قوم میں رہی ہے۔ ہر دور کے اُمراء اور حکمران زرِ کثیر خرچ کر کے بڑی بڑی عمارتیں محض اس لیے تعمیر کرتے رہے ہیں کہ وہ دنیا میں ان کی یادگاروں کے طور پر قائم رہیں۔ اہرامِ مصر اور تاج محل ان یادگاروں کی مثالیں ہیں جن پر اپنے اپنے زمانے میں کروڑہا روپیہ خرچ کیا گیا مگر انسانیت کے لیے ان کی افادیت کچھ بھی نہیں ہے۔قومِ عاد کے اُمراء بھی ایسی یادگاریں بنانے کے شوقین تھے۔

آیت ۱۲۹ ﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾﴾ ’’اور تم بناتے ہو ایسے شاندار محل کہ شاید تمہیں ہمیشہ (ان میں) رہنا ہے۔‘‘

ایسی یادگاریں اور ایسے محلات تو بعد میں بھی قائم رہتے ہیں مگر انہیں بنانے والے باقی نہیں رہتے۔ جیسے غرناطہ اور قرطبہ کے محلات تو اب بھی موجود ہیں مگر ان کے مکینوں کا آج کہیں نام و نشان نہیں۔ بہرحال ان محلات کو تعمیر کروانے والوں نے تو انہیں ایسے ہی بنایا تھا جیسے انہیں ہمیشہ ان میں رہنا ہے۔

آیت ۱۳۰ ﴿وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ﴿۱۳۰﴾﴾ ’’اور جب تم کسی کی گرفت کرتے ہو تو ظالموں کی طرح گرفت کرتے ہو۔‘‘

جب تم کسی قوم پر حملہ آور ہوتے ہو تو ظلم و جبر کی انتہا کر دیتے ہو۔

آیت ۱۳۱ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾﴾ ’’پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔‘‘

آیت ۱۳۲ ﴿وَاتَّقُوا الَّذِیْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾﴾ ’’اُس کا تقویٰ اختیار کرو جس

نے تمہیں مدد پہنچائی ہے ان چیزوں کے ذریعے جن کو تم جانتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اولاد عطا کی ہے' مال و اسباب سے نوازا ہے' خوشحالی اور فارغ البالی دی ہے' وسیع خطۂ زمین بخشا ہے اور تمہاری اس زمین کو خصوصی طور پر زرخیز بنایا ہے۔ اور تم لوگ اس اللہ کو خوب پہچانتے ہو جس کی طرف سے تمہیں یہ تمام نعمتیں ملی ہیں۔

آیت ۱۳۳ ﴿اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾﴾ ''اُس نے تمہیں مدد پہنچائی ہے چوپایوں اور بیٹوں کے ذریعے۔''

آیت ۱۳۴ ﴿وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾﴾ ''اور باغات اور چشموں کے ذریعے۔''

آیت ۱۳۵ ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾﴾ ''مجھے تو اندیشہ ہے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا۔''

آیت ۱۳۶ ﴿قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾﴾ ''انہوں نے جواب دیا کہ (اے ہُود) ہمارے لیے برابر ہے خواہ تم وعظ کرو یا نہ کرو۔''

آپؑ کے اس وعظ کا ہم پر کچھ اثر نہیں ہوگا' ہم آپ کے کہنے پر اپنے عقائد اور اپنے باپ دادا کے طریقوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔

آیت ۱۳۷ ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾﴾ ''یہ کچھ نہیں مگر پہلے لوگوں کی باتیں۔''

آپؑ ہمارے سامنے پرانے زمانے کی باتوں اور فرسودہ روایات کو دہرا رہے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ باتیں تو بس یوں ہی چلی آئی ہیں۔

آیت ۱۳۸ ﴿وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾﴾ ''اور ہمیں کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا۔''

یہ آپؑ خواہ مخواہ ہم پر دھونس جما رہے ہیں' ہم پر کوئی عذاب وغیرہ آنے والا نہیں ہے۔

آیت ۱۳۹ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ﴾ ''چنانچہ انہوں نے اُسؑ کو جھٹلا دیا' تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔ لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔''

آیت ۱۴۰ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کا رب زبردست ہے' نہایت رحم فرمانے والا۔''

آیات ۱۴۱ تا ۱۵۹

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّيْ
لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ فِيْ
جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾
الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ
الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۤ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا
تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا
نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

آیت ۱۴۱ ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۱﴾﴾ ''(اسی طرح) قومِ ثمود نے رسولوںؑ کو جھٹلایا۔''

آیت ۱۴۲ ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾﴾ ''جب ان کے بھائی صالحؑ نے انہیں کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟''

آیت ۱۴۳ ﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۳﴾﴾ ''یقیناً میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسولؑ ہوں۔''

آیت ۱۴۴ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾﴾ ''پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۱۴۵ ﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾﴾ ''اور میں تم سے اس پر کسی اجر کا طالب نہیں ہوں' میری اجرت تو تمام جہانوں کے رب ہی کے ذمے ہے۔''

آیت ۱۴۶ ﴿اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۶﴾﴾ ''کیا تم چھوڑ دیے جاؤ گے ان

(نعمتوں) میں یہاں امن سے!''

تمہارا کیا خیال ہے کہ تم ان سب چیزوں کے درمیان جو یہاں تمہیں میسّر ہیں' یونہی امن وسکون اور اطمینان سے ہمیشہ رہنے دیے جاؤ گے اور یہ نعمتیں کبھی تم سے جدا نہ ہوں گی؟

آیت ۱۴۷ ﴿فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾﴾ ''ان باغات اور چشموں میں۔''

آیت ۱۴۸ ﴿وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿۱۴۸﴾﴾ ''اور کھیتیوں اور نرم وملائم خوشوں والی کھجوروں میں۔''

آیت ۱۴۹ ﴿وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿۱۴۹﴾﴾ ''اور تم پہاڑوں کو تراش کر اپنے گھر بناتے ہوا تراتے ہوئے!''

آیت ۱۵۰ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾﴾ ''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۱۵۱ ﴿وَلَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾﴾ ''اور مت مانو حد سے بڑھنے والوں کا حکم۔''

آیت ۱۵۲ ﴿الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾﴾ ''جو لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔''

آیت ۱۵۳ ﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾﴾ ''انہوں نے جواب دیا کہ (اے صالح) تم نہیں ہو مگر ایک سحر زدہ شخص۔''

یعنی آپؑ پر یقیناً جادو یا آسیب کے اثرات ہیں جو اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔

آیت ۱۵۴ ﴿مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۵۴﴾﴾ ''تم نہیں ہو مگر ہمارے ہی جیسے ایک انسان' تو لے آؤ کوئی نشانی اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو!''

آیت ۱۵۵ ﴿قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾﴾ ''صالحؑ نے کہا: یہ اونٹنی ہے' ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک معیّن دن کی باری تمہاری ہے۔''

حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ تمہارے معجزے کے مطالبے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ اونٹنی بھیجی ہے' لیکن اب تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک دن یہ اکیلی پانی پیے گی اور ایک دن تمہارے تمام جانور پئیں گے۔ اس اونٹنی کے بارے میں روایت ہے کہ وہ اپنی باری کے دن چشمے کا پورا پانی پی جاتی تھی اور اس دن ان کے جانوروں کو پانی نہیں ملتا تھا۔ اگلے دن اونٹنی ناغہ کرتی تھی اور باقی سب جانور پانی پیتے تھے۔ مجھے ''مدائنِ صالح'' میں وہ چشمہ دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

آیت ۱۵۶ ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵۶﴾﴾ ''اور مت ہاتھ لگانا اسے برے ارادے سے' ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔''

آیت ۱۵۷ ﴿فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِیْنَ ﴿۱۵۷﴾﴾ ''تو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں' پھر وہ ہو کر رہ گئے پچھتانے والے۔''

آیت ۱۵۸ ﴿فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ﴾ ''پس ان کو آ پکڑا عذاب نے۔''

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵۸﴾﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے' لیکن ان کی اکثریت ماننے والی نہیں ہے۔''

آیت ۱۵۹ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۵۹﴾﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا پروردگار بہت زبردست' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

آیات ۱۶۰ تا ۱۷۵

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا

عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۧ

آیت ۱۶۰ ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۶۰﴾ ''(اسی طرح) جھٹلایا لوطؑ کی قوم نے بھی مرسلینؑ کو۔''

آیت ۱۶۱ ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۶۱﴾ ''جب کہا ان سے ان کے بھائی لوطؑ نے کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟''

آیت ۱۶۲ ﴿اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۶۲﴾ ''میں یقیناً تمہارے لیے ایک امانت دار رسولؑ ہوں۔''

آیت ۱۶۳ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۱۶۳﴾ ''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۱۶۴ ﴿وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶۴﴾ ''اور میں تم سے اس پر کسی اُجرت کا طالب نہیں ہوں' نہیں ہے میری اُجرت مگر تمام جہانوں کے ربّ کے ذمّے۔''

آیت ۱۶۵ ﴿اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶۵﴾ ''کیا تمام جہانوں میں تم ہی (شہوت کے لیے) مَردوں کے پاس جاتے ہو؟''

دنیا جہان میں ایک تم ہی ایسے لوگ ہو جو شہوت رانی کی غرض سے مَردوں کے پاس جاتے ہو۔ ورنہ انسانوں میں کوئی دوسری قوم یہ حرکت نہیں کرتی' بلکہ یہ کام تو جانور بھی نہیں کرتے۔

آیت ۱۶۶ ﴿وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ﴾ ''اور تم چھوڑ دیتے ہو جن کو تمہارے لیے پیدا کیا ہے تمہارے رب نے تمہاری بیویوں میں سے۔''

اللہ تعالیٰ نے تمہارے جوڑوں کے لیے عورتیں پیدا کی ہیں۔ انہیں چھوڑ کر تم اپنی شہوت کا تقاضا مَردوں سے پورا کرتے ہو۔

﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝۱۶۶﴾ ''بلکہ تم تو حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔''

آیت ۱۶۷ ﴿قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ۝۱۶۷﴾ ''انہوں نے کہا

کہ اے لوط! اگر تم باز نہ آئے تو یہاں سے نکال باہر کیے جاؤ گے۔''

اگر آپؑ اپنی اس وعظ و نصیحت سے اور ہم پر تنقید کرنے سے باز نہ آئے تو ہم آپؑ کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے۔

آیت ۱۶۸ ﴿قَالَ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ۝۱۶۸﴾ ''اُسؑ نے کہا کہ میں تو تمہارے ان طور طریقوں سے سخت بیزار ہوں۔''

آیت ۱۶۹ ﴿رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶۹﴾ ''پروردگار! تُو نجات دے مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے عمل سے۔''

آیت ۱۷۰ ﴿فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۷۰﴾ ''تو ہم نے نجات دی اُسؑ کو بھی اور اُسؑ کے سب گھر والوں کو بھی۔''

آیت ۱۷۱ ﴿اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۝۱۷۱﴾ ''سوائے ایک بُڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔''

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو آپؑ پر ایمان نہیں لائی تھی' پیچھے رہ جانے والوں میں شامل تھی۔

آیت ۱۷۲ ﴿ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۱۷۲﴾ ''پھر ہم نے اُٹھا کر پٹخ دیا باقیوں کو۔''

آیت ۱۷۳ ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝۱۷۳﴾ ''اور ہم نے برسائی ان پر ایک بارش' تو بہت ہی بری تھی وہ بارش جو ان لوگوں پر برسی جنہیں خبردار کر دیا گیا تھا۔''

آیت ۱۷۴ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۷۴﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے' لیکن ان کی اکثریت ماننے والی نہیں ہے۔''

آیت ۱۷۵ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۱۷۵﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا رب بہت زبردست ہے' نہایت رحم کرنے والا۔''

❁❁❁

قرآنِ کریم کی اُصولی باتیں (۱۲)

پروفیسر ڈاکٹر عمر بن عبداللہ المقبل

ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

۳۶واں اصول:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾

''پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔''

علماءِ کرام فتویٰ دیتے وقت جن اُصولوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں' اُن میں سے یہ عظیم شرعی اصول ہے۔ یہ مستحکم قرآنی اصول سورۃ التغابن میں بیان ہوا ہے۔ اِس کے پس منظر پر غور کرنے کے حوالے سے اس چیز کو یہاں بیان کرنا بہت مفید ہے کہ یہ اصول حرفِ ''ف'' سے شروع ہوتا ہے' جسے اہلِ علم ''فَاءِ تَفْرِیْع'' کا نام دیتے ہیں' یعنی بعد میں بیان ہونے والا حکم پہلے حکم کی شاخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصول سے پہلے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۱۵﴾ (التغابن)

''اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور بعض بچے تمہارے دشمن ہیں' پس ان سے ہوشیار رہنا۔ اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ تمہارے مال اور اولاد تو سراسر تمہاری آزمائش ہیں۔ اور بہت بڑا اجر اللہ ہی کے پاس ہے۔''

اس آیت کے بعد فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۶﴾ (التغابن)

''پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو' اور سنتے اور مانتے چلے جاؤ' اور اللہ کی راہ میں خیرات کرتے رہو' جو تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے۔''

جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا (کہ تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں بعض تمہارے دشمن ہیں) تو اولاد' بیویوں اور مال کے خرچ کرنے میں اللہ تعالیٰ سے اتنا ضرور ڈرتے رہو جتنا ڈرنا ممکن ہو سکے۔ چنانچہ اُن کی محبت اور ان کے ساتھ مشغولیت تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ واجبات کی ادائیگی سے نہ روک دے' اور جس حد تک عدل کا حکم ہے' غصہ تمہیں اس حد سے باہر نہ نکال دے' اور نہ ہی مال کی محبت مال کے حقوق ادا کرنے سے یا اسے حلال طریقے سے کمانے سے روک دے۔ چنانچہ تقویٰ کا حکم' جو تنبیہ گزر گئی ہے اور جو عفو و درگزر کی ترغیب دی گئی ہے اور جو ان دونوں کے علاوہ شکلیں ہو سکتی ہیں' ان سب کو شامل ہے۔ اکثر اوقات یہ ہوتا ہے کہ نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کی وجہ سے تقویٰ کے معاملے میں کوتاہی ہو جاتی ہے' لہٰذا حکم تقویٰ کی تاکید کی خاطر فرمایا: ''مَا اسْتَطَعْتُمْ''۔ یہ حکم تمام زمانوں کے لیے اور ہر طرح کی استطاعت کے لیے ہے' لہٰذا نہ تو یہ حکم ''مَا اسْتَطَعْتُمْ'' آسانی پیدا کرنے کی خاطر ہے اور نہ ہی سختی پیدا کرنے کی خاطر ہے' بلکہ یہ عدل و انصاف کی بات ہے' اِس میں ان کے حقوق اور واجبات دونوں ذکر کر دیے گئے ہیں۔ (التحریر والتنویر ۲۸/۲۵۸۔ معمولی اختصار کے ساتھ)

یہ قرآنی مستحکم اصول وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے کہ عاقل و بالغ جب کسی واجب کو ادا کرنے سے عاجز ہو جائے' تو وہ واجب اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اگر واجب کا کچھ حصہ ادا کر سکتا ہو اور کچھ حصہ ادا نہ کر سکتا ہو تو جس قدر وہ ادا کر سکتا ہو اسے پورا کرے اور جو ادا نہیں کر سکتا وہ خود بخود اُس سے ساقط ہو جائے گا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ))

''جب میں تم کو کوئی حکم دوں تو اس میں سے جو تم سے ہو سکتا ہے وہ کر لو۔''

اس شرعی اصول کے تحت بہت سارے فروعی مسائل آتے ہیں جن کو شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔

چند مثالیں: ہم اس کی کچھ مثالیں بیان کر دیتے ہیں تاکہ یہ اصول اچھی طرح سمجھ آ جائے:

۱) اس کی سب سے پہلی مثال تو وہی ہے' جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جامع اصول کے

طور پر بیان فرمایا ہے‘ جس کا ابھی ابھی تذکرہ ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ))

’’جب میں تم کو کوئی حکم دوں تو اس میں سے جو تم سے ہوسکتا ہے وہ کرلو۔‘‘

امام مسلم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حدیث بیان کی ہے‘ فرمایا:

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: ((اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا)) فَقَالَ رَجُلٌ: اَکُلَّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَسَکَتَ، حَتّٰی قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ)) ثُمَّ قَالَ: ((ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ، فَاِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰی اَنْبِیَائِهِمْ، فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَاِذَا نَهَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْهُ))

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: ’’اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے‘ لہٰذا حج کیا کرو!‘‘ تو ایک آدمی نے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا ہر سال؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ اُس شخص نے یہ سوال تین دفعہ دہرایا۔ اَب آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اگر میں ہاں کہہ دوں تو تم پر واجب ہو جائے گا اور تم نہیں کرسکو گے‘‘۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جس چیز میں‘ میں نے تم کو چھوڑ دیا ہے‘ تم بھی مجھے اُس میں چھوڑ دو۔ تم سے پہلی قومیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ وہ اپنے نبیوں سے زیادہ سوال اور اختلاف کیا کرتی تھیں‘ چنانچہ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جس قدر ہوسکتا ہے کرلو‘ اور جب کسی چیز سے روک دوں تو اسے چھوڑ دو۔‘‘

۲) اس اصول کو عملی جامہ پہنانے کی ایک شکل یہ ہے کہ جب ایک ہی جگہ پر فائدہ اور نقصان اکٹھا ہو جائے‘ اگر فائدے کو حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ نقصان سے بچنا ممکن ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے ایسا ہی کریں گے‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ’’جہاں تک ہوسکتا ہے اللہ سے ڈرتے رہو‘‘۔ اگر بیک وقت نقصان سے بچنے اور فائدہ حاصل کرنے کی صورت ممکن نہ ہو تو اگر فائدے کے مقابلے میں نقصان زیادہ ہو تو ہم نقصان سے بچ جائیں گے اور فائدہ چھوٹ جانے کی پروا نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

وَاِثْمُهُمَآ اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۱۹)

’’لوگ آپؐ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے‘ لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔‘‘

ان دونوں کو اس لیے حرام کر دیا کہ ان کے فائدے کے مقابلے میں ان کا نقصان زیادہ ہے۔

۳) نماز ادا کرنے کے لیے پانی سے وضو کرنا واجب ہے‘ اور اگر پانی نہ ملے یا اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو انسان تیمّم کی طرف چلا جاتا ہے‘ اور یہ حکم سب کو معلوم ہے۔

۴) فرض نماز کے بارے میں اصل تو یہی ہے کہ نمازی کھڑا ہو کر ادا کرے‘ اگر کھڑا نہ ہوسکتا ہو تو بیٹھ کر ادا کرلے‘ ورنہ پہلو کے بل ادا کرے۔ اور یہ بات سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ اور یہی حکم نماز کی تمام شرطوں‘ ارکان اور واجبات کے لیے ہے۔

۵) روزے میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک روزہ توڑنے والی تمام چیزوں سے بچے‘ لیکن اگر روزہ رکھنا اس کے لیے تکلیف دہ ہو تو روزہ نہ رکھے اور (فدیہ کے طور پر) کھانا کھلا دے۔

۶) مناسکِ حج میں جیسے منیٰ یا مزدلفہ میں جگہ نہ ملے‘ تو جہاں جگہ ملے قیام کرلے‘ اور اسی طرح کا حکم اس شخص کے لیے ہے جو کنکری مارنے سے عاجز ہو‘ بشرطیکہ اس کا عذر شرعاً قابلِ قبول ہو۔ شاید کہ ارکانِ اسلام میں سے حج ہی وہ رکن ہے جس میں اس عظیم اصول کی سب سے زیادہ عملی تطبیق ہوتی ہے۔

۷) امر بالمعروف ونہی عن المنکر (نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے) کے حوالے اس عظیم اصول پر عمل کرنے کی شکل یہ ہے کہ ہر عاقل بالغ کی ذمہ داری ہے کہ اگر طاقت ہو تو برائی کو ہاتھ کی طاقت سے روکے‘ اگر ممکن نہ ہو تو زبان سے روکے‘ ورنہ دل سے برا جانے۔ اور یہ بات سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بیان ہوئی ہے‘ جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

۸) خرچ کرنے کے حوالے سے: جس آدمی پر خرچ کرنا واجب ہو‘ اور وہ تمام افراد کا خرچ برداشت نہ کرسکتا ہو‘ تو سب سے پہلے اپنی بیوی پر خرچ کرے‘ پھر اپنے غلام پر‘ پھر اپنی اولاد پر‘ پھر والدین پر‘ اور پھر جو جتنا زیادہ قریبی رشتہ رکھتا ہو اس پر خرچ کرے۔ اور یہی طریقہ زکاۃ الفطر ادا کرنے میں ہے۔

سابقہ مثالوں کی روشنی میں اسلامی شریعت میں اس اصول کی عظمت واضح ہو کر سامنے

آ جاتی ہے' کیونکہ اس کی بنیاد آسانی اور وسعت ہے۔ جس اللہ نے ہمیں اس دین کی طرف راہنمائی کی ہے ہم اُسی سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں موت تک اسی دین پر ثابت قدم رکھے اور یہ کہ ہمیں اس دین میں سمجھ بوجھ اور بصیرت عطا فرمائے۔ آمین!

۳۷واں اصول:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ﴾

''جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ ڈٹے رہیں۔''

یہ عظیم قرآنی اصول ہے' جو انتہائی جامع کلمات پر مشتمل ہے۔ یہ قرآنِ کریم میں بیان ہونے والی بنیادی نصیحتوں میں سے ایک نصیحت ہے۔ یہ مستحکم قرآنی اصول سورۂ ہود میں بیان ہوا ہے۔ یہ وہی عظیم سورت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے راستے واضح طریقے سے بیان کیے ہیں' پھر دونوں گروہوں کے انجام کو بھی بیان کر دیا ہے' نیز رسولوں اور ان کی قوموں کے انجام کو بھی بطور تاریخی مثال کے بیان کیا ہے۔

اس عظیم سورت پر غور کرنے والے کو واضح طور پر معلوم ہوگا کہ اس سورت میں نبی اکرم ﷺ کو کثرت سے مخاطب کیا گیا ہے۔ عام طور پر تو ضمیرِ خطاب کے ذریعے مخاطب کیا گیا ہے اور کہیں کہیں ضمیرِ خطاب کے بغیر بھی مخاطب کیا گیا ہے۔ جس اصول پر ہم بات کر رہے ہیں یہاں ضمیرِ خطاب کے بغیر ہی مخاطب کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾﴾ (ھود)

''جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ ڈٹے رہیں' اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ توبہ کر چکے ہیں۔ خبردار حد سے نہ بڑھنا۔ یقیناً اللہ تمہارے تمام اعمال کا دیکھنے والا ہے۔''

اس اصول میں متعدد قابلِ غور باتیں ہیں:

پہلی قابلِ غور بات: ''استقامت'' کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اس صراحت کے ساتھ استقامت پر کاربند رہنے کا حکم دینے میں کیا حکمت تھی؟

استقامت کا معنی تو وہی ہے جو ''صراطِ مستقیم'' پر چلنے کا ہے' دائیں بائیں مڑے بغیر۔ سیدھا دین بھی یہی ہے۔ اس میں ظاہری و باطنی ہر طرح کی اطاعت بجا لانا اور تمام ممنوعہ کاموں سے رک جانا شامل ہے۔ اس طرح یہ نصیحت دین سے متعلقہ تمام کاموں کو شامل ہو جاتی

ہے۔ رہی بات آپ ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اس صراحت کے ساتھ استقامت پر کاربند رہنے کا حکم دینے میں حکمت کی' تو اس کا جواب تو بہت لمبا ہے' لیکن جو بات بہت واضح طریقے سے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مؤمن کو جان لینا چاہیے کہ بنی آدم کے حوالے سے شیطان کا سب سے بڑا منصوبہ یہ ہے کہ اسے صراطِ مستقیم سے گمراہ کر دے۔ کیا دشمنِ خدا نے یہ نہیں کہا تھا:

﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾﴾ (الاعراف)

''اُس نے کہا: (اے رب!) چونکہ تم نے مجھے گمراہ کیا ہے' تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کو بہکانے کے لیے تمہاری سیدھی راہ پر ضرور بیٹھوں گا۔''

اسی لیے ہمیں کم از کم دن میں سترہ دفعہ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (اے اللہ! ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما!) اے ربّ العالمین! ہمیں اس پر ثابت قدم رکھ۔

دوسری قابلِ غور بات: یہ نبی اکرم ﷺ کو استقامت اختیار کرنے کا حکم ہے' آپ ﷺ کو اور دوسروں کو اس پر ثابت قدم رہنے کا بھی حکم ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ایک آدمی چل پھر رہا ہے' کھا پی رہا ہے اور آپ اس کو اسی کام کا حکم دیں (کہ اس پر مسلسل کاربند رہو)۔ سورۃ الفاتحہ میں ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کو بار بار دہرانے کا حکم ہے۔ اس بات کو بھی اسی مقام پر رکھ دیں' چونکہ استقامت کا معاملہ بہت عظیم ہے اور اس کا انجام بھی بہت خوبصورت ہے' اسی لیے اسے قرآن کریم میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔ مختلف اسلوبوں کے ساتھ اور مختلف جگہوں پر اہل استقامت کی تعریف کی گئی ہے۔

تیسری قابلِ غور بات: چاہے انسان ایمان اور تقویٰ کی کتنی بلندی پر پہنچ جائے' اُسے ہمیشہ یاددہانی کی ضرورت رہتی ہے تاکہ وہ اس پر ثابت قدم رہے اور استقامت میں اضافہ کرے۔ اگر کوئی اس سے بے نیاز ہو سکتا تھا تو وہ آپ ﷺ کی ذات گرامی تھی۔

امام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''سب سے بڑا مقامِ عزت یہ ہے کہ انسان استقامت پر چلتا رہے۔ جس بندے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت و رضا کے کاموں کی توفیق بخشی اس کی سب سے زیادہ عزت افزائی کی۔ اور وہ اُس شخص کی توفیق میں اضافہ کرتا ہے جسے اپنے قریب کرنا اور اس کے درجات بلند کرنا چاہتا ہے۔''

چوتھی قابلِ غور بات: مؤمن کو یہ بات جان لینی چاہیے کہ استقامت کا سب سے اونچا مقام دل کی استقامت ہے' کیونکہ دل کی استقامت کے اثرات تمام اعضاء پر ہوتے

ہیں۔ چنانچہ استقامت کی بنیاد توحید پر دل کی استقامت ہے۔ سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی یہی تفسیر کی ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ (فصلت: ۳۰) ''یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے پھر وہ اس پر ڈٹ گئے''۔ پھر انہوں نے اِدھر اُدھر جھانک کر بھی نہیں دیکھا۔ جب دل اللہ تعالیٰ کی معرفت' اس کے خوف' اس کے جلال' اُس کے رعب' اُس کی محبت' اُسی سے مانگنے' اُسی سے امید رکھنے' اُسی سے دعا کرنے اور اُسی پر بھروسہ کرنے پر ڈٹ جاتا ہے اور اُس کے علاوہ سب سے منہ پھیر لیتا ہے تو ایسے انسان کے سارے اعضاء بھی اللہ کی اطاعت پر ڈٹ جاتے ہیں' کیونکہ دل تمام اعضاء کا بادشاہ ہے اور دوسرے اعضاء اس کے سپاہی ہیں۔ جب بادشاہ صحیح ہو جاتا ہے تو اُس کے سپاہی اور رعایا سب ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ جسم انسانی میں دل کے بعد جس عضو کی استقامت کی سب سے زیادہ اہمیت ہے وہ زبان ہے' کیونکہ وہ دل کی ترجمان اور اُس کے جذبات کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہے۔ جس نے صراطِ مستقیم پر استقامت کر لی اُسے دنیا و آخرت کی سعادت مل گئی اور قیامت کے دن اُسے پُل صراط پر سے گزرنے میں بھی استقامت مل گئی۔ اور جو استقامت کے راستے سے بھٹک گیا یا تو وہ مغضوب علیہ ہے' جسے راستے کی خبر بھی ہو پھر بھی وہ اس کی پیروی نہ کرے' جیسے یہودی ہیں' یا وہ راستے سے بالکل بھٹکا ہوا ہے' جیسے عیسائی یا ان جیسے مشرکین ہیں۔

۳۸واں اصول:

﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ○ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ○﴾

''جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اُسے دیکھ لے گا۔''

یہ قرآنی اُصول چند جامع کلمات پر مشتمل ہے' جو اصولِ عدل' جزاء اور حساب کے تمام قواعد کو شامل ہے۔ یہ قرآنی مستحکم اُصول ''سورۃ الزلزال'' میں بیان ہوا ہے' جو اُس دن کی ہولناکیوں کو بیان کر رہی ہے جس کی دہشت سے بچے بوڑھے نظر آئیں گے۔ جس اصول پر ہم بات کر رہے ہیں یہ اصول اس سورت کے آخر میں بیان ہوا ہے۔ اور یہ آیت نتیجہ بیان کرنے والی ''ف'' سے شروع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ⑦ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ⑧﴾

''جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اُسے دیکھ لے گا۔''

اس سے پہلی آیت تھی: ﴿لِیُرَوْا اَعْمَالَھُمْ ④﴾ ''تاکہ وہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں''۔ تاکہ نیکی کرنے والا اللہ کی رحمت کے کمال پر یقین کر لے اور برائی کرنے والے کو اللہ کے عدل کا کمال نظر آ جائے۔ سلف صالحین نے اس آیت کو اپنے عموم پر رکھ کر سمجھا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بہت سارے مواقع پر اس سوچ کا اثر ظاہر ہوا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

ایک سوالی نے آ کر سیدہ طاہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا' آپؓ نے ایک کھجور دینے کو کہا۔ کسی نے پوچھا: اے اماں جان! آپ ایک کھجور کا بھی صدقہ کر لیتی ہیں؟ فرمایا: ''اللہ کی مخلوق تو بہت زیادہ ہے اور اُسے صرف اللہ ہی پیٹ بھر کے دے سکتا ہے' کیا ایک کھجور میں بہت سارے ذرّے موجود نہیں ہیں؟ اسی طرح ایک مانگنے والا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا' آپؓ کے ہاتھ میں انگوروں کا گچھا تھا' آپؓ نے مانگنے والے کو ایک دانہ تھما دیا اور فرمایا: اس میں بہت سارے ذرّے پائے جاتے ہیں۔

صدقہ کرنے کے اجر میں جب اس طرح حساب ہوگا' خواہ وہ تھوڑا سا ہی ہو' تو جن سمجھ دار لوگوں کے دل زندہ ہیں ان کو برائی کا انجام خود بخود سمجھ آ جاتا ہے۔ امام ابنِ شیبہؒ نے بیان کیا ہے کہ حارث بن سویدؒ نے سورۃ ''الزلزال'' تلاوت کی' تو جب ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ○﴾ ''جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا'' پر پہنچے تو فرمایا: ''یہ تو بڑا سخت حساب ہے''۔ سنتِ نبوی میں متعدد مثالیں اور واقعات موجود ہیں' جو اِس عظیم اصول کو بیان کر رہے ہیں۔ میں اس موقع پر صرف دو حدیثیں بیان کرنے پر اکتفا کروں گا' جن کو بیان کیے بغیر اس اصول کی صحیح شکل نظر نہیں آ سکتی۔

پہلی حدیث: جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بَیْنَمَا کَلْبٌ یُطِیْفُ بِرَکِیَّۃٍ قَدْ کَادَ یَقْتُلُہُ الْعَطَشُ، اِذْ رَأَتْہُ بَغِیٌّ مِنْ بَغَایَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ، فَنَزَعَتْ مُوْقَھَا فَاسْتَقَتْ لَہٗ بِہٖ فَسَقَتْہُ اِیَّاہُ، فَغُفِرَ لَھَا بِہٖ)) (متفق علیہ)

''ایک کُتّا کنویں کی گیلی مٹی چاٹ رہا تھا اور پیاس سے مرا جا رہا تھا۔ بنی اسرائیل کی

ایک زانیہ عورت نے اسے دیکھا تو اپنا موزہ اتارا اور اس میں پانی نکال کر اس کُتّے کو پلا دیا۔ اس عمل کی وجہ سے اس زانیہ کی بخشش کر دی گئی۔''

دوسری حدیث: اسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں چلی گئی۔ اُس عورت نے بلی کو باندھ رکھا تھا' نہ خود کچھ کھانے کو دیا اور نہ ہی اسے آزاد چھوڑا کہ زمین سے کیڑے مکوڑے کھا لے۔ اس طرح وہ بھوکی مر گئی۔

پہلی حدیث میں مذکور عورت کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ عابدہ تھی یا بہت زیادہ روزے رکھنے والی تھی' بلکہ اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ زانیہ عورت تھی' اس کے باوجود اسے اتنا چھوٹا سا عمل کام دے گیا۔ وہ کونسا کام تھا؟ اس نے انتہائی ناپاک جانور یعنی کتے کو پانی پلایا تھا۔ چونکہ رب کی ذات رحمان و رحیم ہے' لہٰذا کوئی نیکی بھی اس کے ہاں ضائع نہیں ہوتی۔ دوسری حدیث میں اس عورت کے جہنم میں داخل ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس نے ایک چھوٹے سے حیوان کو باندھے رکھا اور اس کا خیال بھی نہیں کیا۔ اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مؤمن کے دل میں اس اصول کا مفہوم پختہ ہو جائے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸﴾

''جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اُسے دیکھ لے گا۔''

کسی بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق کی عظیم ترین صورت یہ ہے کہ اُسے امر و نہی کی تعظیم کی توفیق دے دے۔ اس کی نگاہ میں کوئی گناہ کتنا ہی چھوٹا ہو پھر بھی وہ اُسے معمولی نہ سمجھے' اس لیے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کر رہا ہے۔ جیسا کہ جناب بلال بن سعد رحمہ اللہ نے فرمایا: ''تم گناہ کے چھوٹے ہونے کی طرف نہ دیکھو' بلکہ یہ دیکھو کہ کس ذات کی نافرمانی کر رہے ہو؟''

مؤمن کو کسی نیک کام سے پیچھے نہیں رہنا چاہیے' اُسے کیا خبر کہ کون سا نیک کام اُسے جنت میں پہنچا دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا ، وَلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ))

(صحيح مسلم، ح ٢٦٢٦ بروايت سيدنا ابو ذر رضى الله عنه)

''کسی بھی نیکی کو معمولی ہرگز نہ سمجھ' چاہے تو اپنے بھائی سے بشاش چہرے سے ملے۔''

جب سیدنا ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسی

بات بتا دیں جس سے میں فائدہ اُٹھاتا رہوں' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَعْزِلِ الْاَذٰى عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ)) (صحيح مسلم ، ح ٢٦١٨)

''مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دو۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَا نُحِّيَنَّ هٰذَا عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ، فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ)) (صحيح مسلم' ح ٤٧٤٤)

''راستے پر پڑی ایک ٹہنی کے پاس سے ایک آدمی کا گزر ہوا تو اُس نے کہا: قسم بخدا! میں اِسے مسلمانوں سے دور کر دوں گا تاکہ یہ اُنہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس عمل سے وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔''

مقامِ غور ہے! بہت سارے لوگ اس طرح کے آسان کاموں کو بالکل بے حیثیت اور معمولی سمجھ لیتے ہیں۔ روزانہ ہم کتنی دفعہ ٹہنی' پتھر' یا ٹوٹے ہوئے شیشے کے پاس سے گزر جاتے ہیں' اکثر یہی ہوتا ہے کہ ہم ایسے کام کرنے سے گریز کرتے ہیں' حالانکہ یہ کام جنت میں لے جانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ نبی مکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کاموں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اگر آپ اپنی روزانہ کی زندگی پر غور کریں تو ایسے چھوٹے چھوٹے آسان کاموں کی بیسیوں مثالیں آپ کو نظر آئیں گی۔ اگر اِن کو جمع کر لیا جائے تو نیکیوں کا سیلاب آ جائے' مثلاً: کسی یتیم کے آنسو پونچھنا' کسی غریب کو کھانا کھلانا' کسی ضرورت مند کے ساتھ تعاون کرنا' مسلمان سے مسکراتے چہرے سے ملنا' اور بھی اس قسم کے بے شمار کام ہیں۔ کیا ہی اچھی بات ہو کہ ہم ایسے نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں' چاہے یہ کام ہماری نگاہ میں معمولی ہوں۔ اور اس عظیم اصول کو ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رکھیں:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸﴾

''جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرّہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اُسے دیکھ لے گا۔''

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہماری نیکیوں میں اضافہ فرمائے' ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائے' ہمارے لیے نیکی کمانے کو آسان بنائے' اور برائی کے مواقع سے دور رکھے۔ آمین!

(جاری ہے)

❁❁❁

قرآنِ حکیم‘ سنتِ رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

مولانا محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام اگست ۱۹۷۲ء میں عمل میں آیا تھا۔ مرکزی انجمن نے اپنی تاسیس کے ساتھ ہی اپنی تمام تر توجہات اور مساعی دعوت رجوع الی القرآن کی توسیع اور علوم وفکر قرآنی کی نشر واشاعت کی طرف مبذول کر دیں۔ اس ضمن میں ایک اہم اقدام قرآن کانفرنسوں کے انعقاد کا سلسلہ تھا‘ جس کا آغاز دسمبر ۱۹۷۳ء میں پہلی قرآن کانفرنس (منعقدہ جناح ہال لاہور) سے ہوا۔ پانچویں سالانہ قرآن کانفرنس کا انعقاد ۲۲ تا ۲۴ مارچ ۱۹۷۸ء کو انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن کراچی یونیورسٹی کے ہال میں ہوا۔ اس قرآن کانفرنس کی روداد اور اس میں پیش کیے گئے خطابات و مقالہ جات پر مشتمل ماہنامہ ’’میثاق‘‘ کی خصوصی اشاعت نومبر‘ دسمبر ۱۹۷۸ء میں شائع کی گئی۔ کانفرنس کے تیسرے روز کیا گیا مولانا محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ کا خطاب ’’قندِ مکرر‘‘ کے طور پر ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔

جناب صدر اور معزز حاضرین کرام!

جیسا کہ اعلان کیا جا چکا ہے‘ آج کی اس مجلس کا موضوع ’’قرآن کریم‘ سنت رسولؐ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم‘‘ ہے۔ اس موضوع کے بارے میں ایک تعارفی خطاب مجھ سے پہلے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب فرما چکے ہیں اور دوسرے اہلِ علم اور اہلِ فکر حضرات اس کی تشریح اور تفصیل کے لیے تشریف فرما ہیں۔ میں نہایت اختصار کے ساتھ اس موضوع کا ایک مختصر تعارف آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں‘ اور اس کے لیے میں نے یہ آیت آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آل عمران: ۱۶۴)

اگر اس آیت کے مفہوم اور اس کے مضمرات پر ذرا اطمینان سے غور کیا جائے تو اس مجلس کا جو موضوع مقرر کیا گیا ہے‘ اس کے بارے میں اس آیت کے اندر بڑی واضح ہدایات ملیں گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ ’’اللہ عزوجل نے مؤمنوں پر بڑا احسان فرمایا جبکہ ان ہی میں سے اُن کے اندر ایک رسول بھیجا‘‘۔ کس مقصد کے لیے بھیجا: ﴿يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ﴾ ’’کہ وہ ان پر اس (اللہ) کی آیات تلاوت کرے‘‘ ﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ ’’اور ان کا تزکیہ کرے‘ ان کو پاک صاف کرے‘‘ ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ’’اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کے تین مقاصد اور آپؐ کے تین فرائض منصبی بیان فرمائے کہ آپؐ کو ان فرائض پر مامور کیا گیا ہے۔ پہلا فرضِ منصبی یہ ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اس کی آیات کی تلاوت کریں۔ دوسرا یہ کہ ان کا تزکیہ کریں‘ ان کو پاک صاف کریں کفر وشرک‘ فسق وفجور اور اخلاقِ رذیلہ سے۔ اور پھر تیسرا فریضہ یہ کہ ان کو اللہ کی کتاب یعنی قرآن کریم اور حکمت سکھائیں۔

اس میں اس پہلو کی طرف اس وقت خاص طور پر توجہ دلانا چاہتا ہوں‘ وہ یہ کہ یہاں تین الگ الگ مقاصد اور تین الگ الگ فرائض منصبی نبی کریم ﷺ کے بیان فرمائے گئے ہیں: سب سے پہلا فرضِ منصبی تلاوتِ آیات‘ اسے قرآن نے الگ ذکر کیا۔ دوسرا فرض منصبی کتاب اللہ کی تعلیم‘ اسے بھی قرآن کریم نے الگ ذکر کیا اور تیسرا فریضہ ہے تزکیہ یعنی پاک صاف کر دینا۔ قرآن کی تعلیمات کے مطابق انسانوں کی زندگیوں کو ڈھالنا اور ان کی تربیت قرآن کی روشنی میں کرنا۔

اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ تلاوتِ آیات کو تعلیم کتاب سے الگ ذکر کیا گیا‘ جس سے تلاوتِ آیات آپ کا ایک مستقل مقصد‘ آپ کا مستقل فریضہ منصبی قرار دیا اور تعلیم کتاب ایک مستقل مقصد اور ایک مستقل فریضہ۔ لہٰذا اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ قرآن کریم کی تلاوت بھی مفید طلب ہے‘ محض تلاوت کو بے کار سمجھنا درست نہیں۔ اس کا سمجھنا الگ چیز اور اس پر عمل کرنا الگ چیز ہے‘ لیکن مطلق تلاوت بھی نبی کریم ﷺ کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔

پھر فرمایا: ہم نے آپؐ کو اس لیے دنیا میں بھیجا کہ آپ کتاب اللہ کی تعلیم دیں۔ سوال یہ

ہے کہ تعلیم کس کو دیں؟ ظاہر ہے کہ ان حضرات کو جو نبی کریم ﷺ کے براہِ راست مخاطب تھے اور پھر ان کے واسطہ سے بعد میں آنے والوں کو‘ حالانکہ جو لوگ آپؐ کے بلا واسطہ مخاطب تھے وہ خود اہلِ عرب تھے‘ عربی زبان سے خوب واقف تھے‘ ان کی فصاحت و بلاغت اور عربی انشاء پردازی میں کلام نہیں کیا جا سکتا۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے لوگ‘ ایک ایسی قوم جو عربی زبان سے پوری طرح باخبر ہے‘ اس کے تمام مطالب و مضمرات کو جانتی‘ سمجھتی اور اس کے تقاضوں سے پوری طرح آگاہ ہے‘ ایسی قوم کو بھلا قرآن کریم کی تعلیم دینے کے لیے کسی معلّم کی کیا ضرورت تھی؟ اگر عربی زبان‘ اس کے معانی و مضامین کو سمجھانے کے لیے نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو پھر آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کو اس وقت تک نہ سمجھا جا سکتا ہے‘ نہ اس کا صحیح علم حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی صحیح رمز کو پایا جا سکتا ہے جب تک محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات کو پیش نظر نہ رکھا جائے۔

ایک نکتہ کی بات اس سلسلہ میں یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ اگر گزشتہ انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کا سرسری سا بھی جائزہ لیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تنہا کتاب کبھی نہیں بھیجی۔ حالانکہ کفار و مشرکین کا مطالبہ یہی تھا جسے قرآن نے خود ذکر کیا ہے کہ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ قرآن ہم پر براہِ راست نازل کر دیا جاتا؟ اور اگر ایسا کر دیا جاتا اور ہر شخص کے پاس ایک ایک نسخہ قرآن کریم کا اس کے گھر میں پہنچا دیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے کوئی بعید بات نہیں تھی‘ بلکہ اس سے اور زیادہ اعجاز ظاہر ہوتا قرآن کریم کا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کو تنہا نازل نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ رسولؐ کو بھیجا۔ یہ معاملہ صرف قرآن کریم کا ہی نہیں بلکہ سابقہ جتنی بھی آسمانی کتابیں یا صحیفے اترے‘ ان سب کے ساتھ رسول بھیجے۔ ایسی مثالیں تو آپ کو ملیں گی کہ رسول آئے لیکن ان پر کتاب نہیں اُتری‘ لیکن ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کتاب آئی ہو اور نبی نہ آیا ہو‘ رسول کی بعثت نہ ہوئی ہو۔ تو یہ سنت اللہ اس بات کو واضح کرتی ہے کہ کتاب تنہا اتار دی جائے بغیر اس کے معلم‘ سمجھانے والے اور اس کی تشریح کرنے والے کے‘ تو یہ ہدایت کے بجائے ضلالت کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے جب بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی آسمانی کتاب نازل کی تو اس کے ساتھ رسول کو ضرور مبعوث فرمایا تا کہ اس کی تعلیم دے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵﴾ (المائدۃ) کہ ہم نے تمہارے پاس ایک تو بھیجی ہے کتابِ مبین (قرآن کریم) —— لیکن اس طرح کہ اگر ایک شخص کے پاس کتاب

موجود ہے‘ لیکن وہ اندھیری رات میں بیٹھا ہے اور اس کے پاس کوئی روشنی نہیں تو وہ اس کتاب سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا‘ کوئی علم حاصل نہیں کر سکتا تو اسی طرح قرآن کریم اور اللہ کی کتابوں کے لیے بھی‘ رسول کی تعلیم کے نور کی ضرورت ہے تو اسی لیے فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آیا ہے ایک نور اور کتاب مبین۔ نور سے مراد ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا نور تا کہ اس کے ذریعے سے کتابِ مبین کی صحیح تعبیر کی جا سکے اور اسے صحیح طور پر سمجھا جا سکے۔

آج کل خاص طور پر یہ وبا ہمارے درمیان خاصی پھوٹ پڑی ہے کہ قرآن کریم کی تشریح و تعلیم اور تفسیر کے لیے کسی معلم کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ کہا یہ جاتا ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے‘ عربی زبان ہم نے سیکھ لی۔ یا اس کے بے شمار تراجم چھپے ہوئے موجود ہیں‘ وہ ہم نے دیکھ لیے۔ لغات کی نوع بہ نوع موٹی موٹی کتابیں ہمارے پاس ہیں۔ ہمیں صاحب قرآن کی بیان کی توضیحات میں الجھنے کی بھلا کیا حاجت؟ لیکن غور طلب بات تو یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو عربی دان ہی نہیں‘ بلکہ جن کی مادری زبان ہی عربی تھی‘ اس کے باوجود انہیں حضور علیہ السلام کی تعلیمات کی ضرورت تھی تو ہم کس شمار و قطار میں ہیں۔ اس لیے قرآن کریم میں متعدد بار اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ ہم نے رسولؐ کو معلم بنا کر بھیجا ہے‘ اس کی تشریح و تفسیر کے لیے بھیجا ہے۔ فرمایا: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل: ۴۴) ہم نے آپ پر ذکر یعنی قرآن کریم اتارا تا کہ آپ اسے کھول کھول کر واضح طور پر لوگوں کو بیان کر دیں‘ کہ تمہارے لیے اُترنے والے اس کلام کا معنیٰ‘ مقصد اور مدعا کیا ہے؟ لہٰذا نبی کریم ﷺ کی حدیث و سنت کو‘ جو آج کی اس مجلس کے موضوع کا ایک جز ہے‘ قرآن کریم سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی شخص اگر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں سنتِ رسولؐ کی مدد کے بغیر تعلیماتِ نبویہؐ سے بے نیاز رہ کر قرآن کو سمجھ لینے کی اہلیت رکھتا ہوں‘ تو یقین کیجیے وہ غلط کہتا ہے۔

﴿وَيُزَكِّيْهِمْ﴾ ”اور ان کا تزکیہ کرے“ —— یہ تیسرا فرضِ منصبی آپ ﷺ کا بیان فرمایا۔ تعلیم کتاب کا مرحلہ ثالث یہی ہے۔ پہلا مرحلہ تو اس کی صحیح طور پر تلاوت ہے‘ دوسرا اس کو صحیح طور پر سمجھنے کا ہے اور تیسرا یہ کہ اس پر عمل کیا جائے۔ تو عمل اس وقت تک معتبر نہیں ہو سکتا‘ جب تک نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دی ہوئی تربیت کے مطابق نہ ہو‘ اسی کا نام تزکیہ ہے۔

تزکیہ کا معنی پاک صاف کر دینا یعنی کفر‘ شرک‘ عقائد و خیالاتِ فاسدہ‘ اعمالِ قبیحہ اور افکارِ خبیثہ جیسی آلائشوں سے پاک کر دینا۔ تعلیم کتاب کے بعد اس کی دی ہوئی تعلیمات سے انسانوں کی زندگیاں سنواری جائیں تاکہ قرآنی تعلیمات میں ڈھلے اور رنگے ہوئے لوگ تیار ہو سکیں۔

نبی کریم ﷺ کے اس فریضہ کے مصداق ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ چنانچہ آپؐ کی تربیت سے یہ مقدس جماعت تیار ہوئی کہ آپ ﷺ نے پورے اعتماد سے (اس جماعت کے بارے میں) فرمایا:

((اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ)) (حدیث)

’’میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں‘ ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے‘ ہدایت پاؤ گے!‘‘

جس بات کی طرف اس آیت کے ضمن میں توجہ دلانا چاہتا ہوں‘ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے دو ذرائع جاری فرمائے۔ ایک کتاب اللہ کا سلسلہ اور دوسرا رجال اللہ کا سلسلہ‘ اللہ کی نازل کردہ کتابیں اور ساتھ بھیجے ہوئے رسولؑ۔ یہ دونوں سلسلے ایک ساتھ جاری فرمائے۔ انبیاء کی تربیت سے فیض یافتہ انسان بھی رجال اللہ میں داخل ہیں‘ اس لیے دین کی صحیح تعبیر اور اس کا فہم اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان دونوں سے راہنمائی حاصل نہ کی جائے اور ان دونوں میں توازن و اعتدال قائم نہ رکھا جائے۔ فکر و عمل کی بیشتر گمراہیاں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ یا تو انسان ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیتا ہے اور دوسرے کو بالکل فراموش کر دیتا ہے‘ یا پھر یہ کہ ان دونوں میں توازن و اعتدال نہیں رکھ سکتا۔

سورۃ الفاتحہ کے بارے میں مفسرین کا کہنا ہے‘ اور ہے بھی بالکل درست کہ قرآن کریم کی تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ سورۃ الفاتحہ ہے۔ اسی سورہ میں ہے کہ صراطِ مستقیم ان لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ نے انعام کیا۔ یہ منعم علیہ کون لوگ ہیں؟ اس کی وضاحت دوسری جگہ فرما دی گئی:

﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ﴾ (النساء:۶۹)

یعنی یہ مقدس گروہ مشتمل ہے انبیاء‘ صدیقین‘ شہداء اور صالحین پر۔ یہ ہدایت پر چلنے والے لوگ ہیں۔ اس راستہ کو اللہ تعالیٰ نے ’’صراط اللہ‘‘ نہیں فرمایا بلکہ ’’صراط السنہ‘‘ فرمایا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں کو حضور ﷺ کی سیرت کا مکمل عکس بنا لیا تھا۔ اسی لیے صراطِ مستقیم کی تفسیر یہ فرمائی کہ انبیاء کا راستہ‘ صدیقین کا راستہ‘ صلحائے اُمت کا راستہ‘ شہدائے اُمت کا راستہ

ہی راہِ نجات ہے۔ اشارہ اس میں یہ ہے کہ اگر اس کی صحیح تفسیر سمجھنی ہو تو وہ فلسفوں سے‘ وظیفوں سے نہیں‘ بلکہ زندگیاں دیکھو ان انبیاءؑ کی‘ زندگیاں دیکھو ان صحابہ کرامؓ کی‘ زندگیاں دیکھو ان صلحائے اُمت کی‘ ان شہدائے اُمت کی۔ اس حقیقت کی وضاحت تو اللہ تعالیٰ نے بالکل ابتدا ہی میں کر دی کہ دین کا صحیح فہم اور اس کی صحیح تعبیر سنت رسول اللہؐ اور تعاملِ صحابہؓ کے بغیر انسان کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ﴾ (لقمن:۱۵) کہ تم پیروی کرو ان لوگوں کے راستہ کی جو میری طرف رجوع کرنے والے ہیں‘ منیب ہیں۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے راستے کا حوالہ‘ صراطِ مستقیم کا حوالہ دینے کے لیے اپنے نیک بندوں کا حوالہ دیا‘ جن میں آنحضور ﷺ کے علاوہ صحابہ کرامؓ اور شہداء وغیرہ بھی ہیں۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ﴾ (البقرۃ:۱۳۷) کہ اگر یہ لوگ ایمان لے آتے ہیں‘ اسی طرح جیسے ایمان لائے ہوئے صحابہؓ‘ تو یہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہاں بھی تنہا ایمان لانے کا ذکر نہیں فرمایا‘ بلکہ ﴿بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ﴾ کی قید لگائی اور ﴿فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ کی یقین دہانی بھی کرائی گئی۔ معلوم ہوا کہ ایمان اور قرآن‘ سنت اور دین ان تمام کی تفسیر و تعبیر وہی ہے جو رجال اللہ نے سمجھی اور آگے بیان کی۔

اگر انسان اس سے ہٹ کر کوئی اور راستہ اختیار کرتا ہے تو پھر وہ راستہ‘ صراطِ مستقیم نہیں بلکہ صراطِ ضلالت ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی آخری وصیت یہ بھی فرمائی کہ ((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ)) (رواہ الترمذی و ابوداؤد) ’’تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت کو اختیار کرو اور میرے راہ یافتہ صحابہؓ کی سنت اختیار کرو۔ ایک جگہ مزید فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹﴾ (التوبۃ) ’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صدیقین کا ساتھ دو‘‘۔ یہ صدیقین اور متقین کون ہیں‘ جن کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ دوسری جگہ وضاحت فرمائی گئی:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى ..... اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝۱۷۷﴾

یہ پوری تفصیل بیان فرمانے کے بعد کہ یہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں‘ فرشتوں‘ آسمانی کتابوں اور نبیوں کو مانتے ہیں..... اُس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں..... یہ ہیں وہ لوگ صادقین اور متقین۔

اگر تمہیں تقویٰ اختیار کرنا ہے جو دین کا مطلوب و مقصود ہے تو پھر ان کی صحبت اختیار کرو!

ایک مختصر بات کے بعد اپنی گزارشات کو ختم کردوں گا۔ غور کرنے کے قابل بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی کے ساتھ وہ تعظیمی القاب نظر نہیں آتے جو عموماً اُمت کے دیگر لوگوں کے ساتھ آتے ہیں۔ مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ''امام'' اسی طرح دیگر لوگ' لیکن صحابہؓ کے ساتھ کوئی ایسا لقب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا مقام و مرتبہ دیا ہے کہ یہ لوگ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں۔ یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ اس سے بلند تر یا ہم پلہ کوئی لقب و لفظ ہے ہی نہیں۔ جب آپ نے ''صحابی'' کہہ دیا تو مفسر' محدث' متکلم' متقی' فقیہہ' صوفی وغیرہ سب خصوصیات اسی میں آ گئیں۔ ان کے سارے اوصاف و کمال جو تعلیماتِ نبویہؐ کا نتیجہ ہو سکتے ہیں' اس لفظ میں وہ سارے القاب آ گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ شکایت کی کہ وہ وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہیں' تو حضرت ابن عباسؓ نے اس کے جواب میں کوئی علمی بحث نہیں چھیڑی کہ آیا یہ درست ہے یا نہیں' بلکہ بڑی پیاری بات فرمائی: ارے چھوڑو! وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ ہیں۔ ان پر حرف گیری کرنا مسلمان کی شان نہیں۔ تو جب ہم نے کہہ دیا کہ یہ صحابی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے' تو وہ تمام اوصاف و کمال جو انبیاءؑ کے بعد انسان میں جمع ہو سکتے ہیں' وہ سب کے سب منسوب کر دیے ہم نے اس انسان کی طرف جسے صحابیؓ کہہ دیا۔ اس کے بعد کسی لقب القاب کی حاجت نہ رہی۔ صحابیؓ کا مادۂ اشتقاق ہے صحبت' یعنی انہیں صحبت رہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور اس سے بڑے اعزاز و اکرام والی بات ہوتی ہی کیا؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

تو عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ قرآن کو اس وقت تک نہیں سمجھا جا سکتا جب تک سنت کو نہ سمجھا جائے اور اس کی راہنمائی حاصل نہ کی جائے' اور سنت رسول پر عمل نہیں کیا جا سکتا جب تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو سامنے نہ رکھا جائے۔ یہ تینوں چیزیں باہم مربوط ہیں۔ ایک قرآن' ایک سنت اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ یعنی قرآن پر عمل ممکن نہیں بغیر سنت کے' اور سنت پر عمل ممکن نہیں بغیر صحابہؓ کی راہنمائی کے۔ آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی اور آپ کو بھی ان تمام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور دین کا صحیح فہم بخشے۔ آمین!

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین○

ایمان میں تقویت پہنچانے والے
پانچ اعمال

محسن سلام شیخ ☆

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ ﴾ (الانفال)

''حقیقی مؤمن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے' اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا: ﴿ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ﴾ (الفتح: ٤) ''تاکہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ایمان میں اور زیادتی ہو''۔ نیز اصحابِ کہف کے بارے میں فرمایا: ﴿ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝۱۳ ﴾ (الکھف) ''یہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کو ہدایت میں اور زیادہ بڑھا دیا۔''

ان آیات مبارکہ اور متعدد احادیثِ نبویہؐ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کا ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ پس انسان کو اپنے ایمان کی بڑھوتری کے لیے اعمالِ صالحہ پابندی مستقل مزاجی کے ساتھ کرتے رہنا چاہیے۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ ہمارے اعمال کامل نہیں ناقص ہیں' اللہ تعالیٰ سے ان اعمال کی قبولیت کے لیے دعا کرتے رہنا چاہیے۔ سطور ذیل میں ایمان کو تقویت پہنچانے والے چند اعمال کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) نفلی روزے

روزہ تمام روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔ روزہ انسان کے اچھے اخلاق و اعمال کا ذریعہ

☆ رفیق تنظیم اسلامی وسطی' حلقہ کراچی شمالی

بنتا ہے' جیسا کہ رمضان میں ہم سب ہی اس بات کے شاہد بنتے ہیں۔ روزہ اللہ تعالیٰ کی قربت' معرفت اور محبت پانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ نفلی روزے انسان کی روح میں تازگی اور ایمان میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ شریعت اسلامی میں روحانی تربیت اور تزکیہ کے لیے دوسری نفلی عبادات کی طرح نفلی روزوں کی تعلیم و ترغیب دی گئی ہے اور خاص دنوں اور تاریخوں کی خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان کر کے ان کو نمایاں کیا گیا ہے۔ احادیث میں وارد نفلی روزوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

حضور ﷺ ماہ شعبان میں نفلی روزوں کی کثرت کرتے (بخاری و مسلم)۔ رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھتے (مسلم)۔ عشرہ ذی الحج اور یوم العرفہ کے روزے رکھتے (ترمذی)۔ پندرہویں شعبان کا روزہ رکھتے (ابن ماجہ) —— روزوں کے بارے میں آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ ہر چیز کی کوئی زکوٰۃ ہے جس کے نکالنے سے وہ پاک ہو جاتی ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ آپؐ اس کی بھی پوری احتیاط فرماتے تھے کہ نفلی روزوں میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا اہتمام اور پابندی فرض روزوں کی طرح نہ کریں۔

(۲) قرآن اور اس پر عمل

سائنٹفک تجربات اور مشاہدات آج یہ ثابت کر چکے ہیں کہ صرف قرآن کو سننے سے ہی معجزاتی طور پر انسان کے دل اور جسم میں مثبت تبدیلیاں دیکھی گئی ہیں۔ اکثر علماء کرام کی جانب سے اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ جب کبھی آپ افسردہ محسوس کریں تو تلاوت سنیں کہ اس کے مثبت اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کلام کر رہا ہے اور آپ کو اس کے کلام کو سمجھنے کے لیے سخت محنت سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیے کہ عصری تعلیم کے حصول کے لیے بھی ہم سالہا سال کمر توڑ محنت کرتے ہیں اور اپنی زندگی اسی میں کھپا دیتے ہیں۔ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا آپ کے دل کو نرم کرنے' ایمان میں تقویت اور روح کو جلا بخشنے کے لیے بہت مفید ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بنی آدم کے قلوب پر اسی طرح زنگ چڑھ جاتا ہے جس طرح پانی لگنے سے لوہے پر زنگ آ جاتا ہے''۔ عرض کیا گیا کہ حضور! دلوں کے اس زنگ کو دور کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''موت کو زیادہ یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(۳) پابندی کے ساتھ مقررہ وقت پر نماز ادا کرنا

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾﴾ (النساء) ''بے شک نماز مؤمنین پر مقررہ وقت پر فرض کی گئی ہے''۔ نماز کی پابندی کرنا ایمان میں اضافے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ مرد حضرات کا جماعت کے ساتھ اور خواتین کے لیے مقررہ وقت پر، نہ کہ جیسا اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ گھروں میں خواتین آخری وقت میں نماز ادا کر رہی ہوتی ہیں۔ یہاں پر ایک بندۂ خدا کا قول عرض کرتا چلوں کہ ''ایسے مسلمان بنو جو چاہتا ہے کہ نماز کا وقت ہو تو نماز پڑھوں، نہ کہ وہ بنو جو سوچتا ہے کہ ابھی نماز بھی پڑھنی ہے''۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان میں وقت کی پابندی کا عنصر بھی پیدا ہوتا ہے اور روحانی تسکین بھی میسر آتی ہے۔

نماز کی پابندی کے ضمن میں چند احادیث ملاحظہ ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بندہ کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔'' (صحیح مسلم) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بتلاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر جاری ہو جس میں وہ روزانہ پانچ دفعہ نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟'' صحابہؓ نے عرض کیا کہ کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے خطاؤں کو دھوتا اور مٹاتا ہے''۔ صاحب ایمان بندہ ہے جس کو نماز کی حقیقت نصیب ہو۔ جب نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی روح گویا اللہ تعالیٰ کے بحر جلال و جمال میں غوطہ زن ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جلال و جمال کے انوار کی موجیں اس بندے کے سارے میل کچیل کو صاف کر دیتی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے: ''اللہ تعالیٰ کو دین کا وہی عمل پسند ہے جس کو ہمیشہ پابندی کے ساتھ کیا جائے۔'' (صحیح بخاری)

(۴) موت کو یاد کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ﴾ (آل عمران:۱۸۵) ''ہر ذی نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے''۔ اس ضمن میں ایک حدیث اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ موت کو کثرت سے یاد کرنا دلوں کے زنگ دور کرنے کا باعث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! بتلایئے کہ

آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دور اندیش ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور موت کے لیے زیادہ تیاری کرتا ہے۔ جو لوگ ایسے ہیں وہی دانش مند اور ہوشیار ہیں، انہوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی۔'' (معجم الصغیر للطبرانی) موت کو یاد رکھنا انسان کے ذہن کو دنیاوی کشش سے باز رکھتا ہے، اس کو دین کے راستے میں پختگی اور اخلاصِ نیت سے بہرہ مند کرتا ہے اور دنیا کے اغراض سے عاجز کرتا ہے۔ مؤمن کی اصل زندگی اور اصل کامیابی تو آخرت کے گھر (جنت) میں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خاص بندۂ مؤمن کے لیے تیار کیا ہے۔ پس یہ موت کی یاد ہی ہے جس سے ایک مسلمان کے دل سے دنیا کی لذتوں کا دھیان گھٹتا ہے اور وہ ایمان میں تقویت حاصل کرتا ہے۔

(۵) ذکر و اذکار میں مشغول رہنا

ذکر اللہ اپنے وسیع معنی کے لحاظ سے نماز، تلاوتِ قرآن اور دعاء و استغفار وغیرہ سب ہی کو شامل ہے اور یہ سب اس کی خاص شکلیں ہیں۔ لیکن مخصوص عرف و اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، تحمید و تہلیل، اس کی عظمت و کبریائی اور اس کی صفاتِ کمال کے بیان اور دھیان کو ذکر اللہ کہا جاتا ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں ہمیں بہت سے مقامات ملتے ہیں جہاں ذکر کی تاکید و ترغیب دی گئی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿۴۲﴾﴾ (الاحزاب)

''اے ایمان والو اللہ کو بہت یاد کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔''

بعض آیات میں اللہ کو بھولنے اور اس کی یاد سے غافل ہونے سے شدت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے، یہ بھی ذکر اللہ کی تاکید کا ایک عنوان ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۲۰۵﴾﴾ (الاعراف)

''اور اپنے رب کو یاد کرتے رہا کرو اپنے جی ہی جی میں، عاجزی اور خوف کے ساتھ، اور بلند آواز سے نہیں (پست آواز میں) صبح کے وقت بھی اور شام کے اوقات میں بھی، اور غافلوں میں سے نہ ہو جایئے۔''

حضرت عبداللہ بن بصر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ یارسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ یعنی کس قسم کے آدمی کا انجام زیادہ اچھا ہونے والا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوگ جن کی عمر زیادہ ہو اور اعمال اچھے ہوں''۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہ تم دنیا کو خیر باد کہو اور اس وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔'' (مسند احمد، جامع ترمذی) رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا کلام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں اور اپنے بندوں کے لیے چنا: ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ''۔ (صحیح مسلم)

احادیث مبارکہ میں ان کلمات سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُلِلّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ کی بہت زیادہ فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ پابندی کے ساتھ ذکر و اذکار کے بیش بہا فوائد و برکات ہیں۔ انسان کے دل کو نرم کرنے، اس کی سوچ کو پاکیزہ رکھنے اور دلوں کو گناہوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ذکر اللہ میں بڑی تاثیر پائی جاتی ہے اور ساتھ ہی روزِ محشر میں بھی ان اذکار کے ذریعہ مسلمان کا پلڑا بھاری ہونے کی بھی نوید سنائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اخلاصِ نیت کے ساتھ ان اعمال کو کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو ایمان کی روشنی سے منور فرمائے۔ آمین! ❁❁❁

جامعہ عثمانیہ کی ربع صدی مکمل ہونے پر عظیم علمی اور فقہی کاوش

دارالافتاء جامعہ عثمانیہ پشاور سے جاری شدہ فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ عثمانیہ

مفتی غلام الرحمٰن، رئیس دارالافتاء

عمومی قیمت 6000 روپے، 25% رعایت کے ساتھ 4500 روپے

برائے رابطہ: مکتبہ العصر پشاور

فون: 0333-9273561, 0321-9273561

انفرادی دعوت: اصول وطریقہ کار

حافظ سید اسامہ علی ☆

ہر مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ دین اسلام جہاں فرد کی اصلاح اور اُخروی نجات کو موضوعِ گفتگو بناتا ہے' وہیں معاشرے کی اصلاح وسدھار کے لیے دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو امتِ مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔ رسالت مآب ﷺ پر ختمِ نبوت وتکمیلِ رسالت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ امتِ محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام انسانیت تک حق تعالیٰ کے آخری کلام کو آنجناب ﷺ کی نیابت کرتے ہوئے مِن وعَن پہنچائے۔ قرآن مجید نے رسول اکرم ﷺ کے طریقے کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ ‌ؕ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝۱۰۸﴾ (یوسف)

''(اے پیغمبر ﷺ!) کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے' میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور جنھوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی۔ اور اللہ (ہر قسم کے شرک سے) پاک ہے اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔''

اس رستے کے راہیوں کے لیے قرآن مجید نے ﴿لَقَدۡ كَانَ لَـكُمۡ فِىۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱) ''حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے'' کے الفاظ کے ذریعے رسولِ مکرم ﷺ ہی کے اسوے کو حتمی نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔ سیرتِ مطہرہ کا سرسری مطالعہ بھی اس حقیقت پر سے پردہ کشائی کے لیے کافی ہے کہ یہ رستہ اپنے سالکین کے لیے کوئی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں بھرا بستر ہے۔ قدم قدم پر باطنی رکاوٹیں داعیٔ دین کے عزم واستقلال کا امتحان لیتی ہیں۔ آخر کوئی تو وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اس فریضے کے بیان کو ہمیشہ صبر واستقامت کے مضامین کے ساتھ جوڑا ہے۔ اور ﴿وَمَنۡ اَحۡسَنُ

☆ استاذ، قرآن اکیڈمی یٰسین آباد و ناظم تربیت حلقہ کراچی شمالی

قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ (فصلت:۳۳) ''اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے'' کی نوید کے ساتھ ﴿وَمَا يُلَقّٰٮهَاۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا﴾ (فصلت:۳۵) ''اور یہ بات صرف انہی کو عطا ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں'' کا اعلان کر کے داعیانِ حق کو متنبہ فرمادیا ہے اور ﴿وَاِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ﴾ (فصلت:۳۶) ''اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کبھی کوئی کچوکا لگے تو (شیطان مردود سے) اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو'' کی اصولی ہدایت عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا نیت میں اخلاص اور عمل میں سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی پیروی ہی کامیابی کی ضامن ہیں۔ زیر نظر مضمون میں ان شاء اللہ کوشش کی جائے گی کہ ایک جانب داخلی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے نفسیاتی تدابیر ذکر کی جائیں اور دوسری جانب فریضۂ دعوت کی مؤثر ادائیگی کے لیے ایک منظم لائحہ عمل پیش کیا جائے۔ **واللّٰہ المُوفّق و المُستعان!**

داخلی رکاوٹیں اور ان کا علاج

۱) **مایوسی:** شیطانِ لعین کا داعیٔ دین کی نفسیات پر سب سے بڑا حملہ یہ ہوتا ہے کہ دعوت کی عدم مقبولیت کی بنیاد پر مایوسی پیدا کر دیتا ہے۔ اپنوں کی ملامت اور غیروں کی مذمت بڑے بڑوں کے قدم متزلزل کر دیتی ہے۔ کردارکشی اگر شدت اختیار کر جائے تو داعی کو نفسیاتی الجھنوں کا شکار کر دیتی ہے۔ نفسیاتی سطح پر اس شیطانی وار کا سب سے مؤثر علاج مندرجہ ذیل حقیقتوں کے ادراک میں پنہاں ہے:

(اوّلاً) قرآن مجید کے مطابق داعیٔ دین کوشش کا ذمہ دار ہے' نتیجے کا مکلّف نہیں۔ مبلّغِ اعظم جناب نبی اکرم ﷺ کو بھی مطلع کر دیا گیا:

﴿لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰٮهُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ‌ؕ﴾ (البقرۃ:۲۷۲)

''(اے پیغمبر ﷺ!) ان (کافروں) کو راہِ راست پر لے آنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر لے آتا ہے۔''

﴿فَذَكِّرۡ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ۝۲۱ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ ۝۲۲﴾ (الغاشیۃ)

''اب (اے پیغمبر ﷺ) آپ نصیحت کیے جائیں' آپ تو بس نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ کو ان پر زبردستی کرنے کے لیے مسلط نہیں کیا گیا۔''

سیدنا نوح علیہ السلام کا صبر واستقلال اور ۹۵۰ سال کی استقامت بھی اس حقیقت کا مظاہرہ تھا۔

ثانیاً انکارِ دعوت کا کیا جا رہا ہے نہ کہ داعی کی شخصیت کا۔ قرآن مجید نے یہی تسلی

داعیٔ اعظم ﷺ کو ان الفاظ میں دی:

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۝۳۳﴾ (الانعام)

''(اے رسول ﷺ!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان سے آپ کو رنج ہوتا ہے' کیونکہ دراصل یہ آپ کو نہیں جھٹلاتے' بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔''

اس معرفت کے نتیجے میں داعیٔ دین ذہنی دباؤ سے نجات پا جاتا ہے۔ بعض اوقات اس کیفیت سے دوچار ہوتا ہے جو مندرجہ ذیل آیات میں بیان کی گئی ہے:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ۝۹۷ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ۝۹۸ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۝۹۹﴾ (الحجر)

''(اے نبی ﷺ!) یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں یہ بناتے ہیں ان سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ تو (اس کا علاج یہ ہے کہ) آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہیں اور سجدہ بجا لانے والوں میں شامل رہیں۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیں' یہاں تک کہ آپ پر وہ چیز آ جائے جس کا آنا یقینی ہے۔''

ثالثاً دعوت کی قبولیت کے ضمن میں اپنی توقعات کو کم رکھا جائے۔ رسالت مآب ﷺ نے جب خاندانِ بنو ہاشم کو کھانے پر مدعو فرمایا اور سیدنا علی مرتضیٰ ؓ کو سرداروں کے تضحیک پر مبنی انکار پر حیرت ہوئی تو آپ ﷺ نے انہیں تسلی بھی دی اور دوبارہ دعوت کے انعقاد کا حکم دیا۔

اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ توقعات ہی سے تو داعیٔ دین کو قوتِ محرکہ حاصل ہوتی ہے' اگر توقعات کو کم رکھا جائے تو جذبہ عمل سرد پڑ جانے کا امکان ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ توقعات کے مرکز کو تبدیل کیا جائے اور افراد سے توقعات وابستہ کرنے کے بجائے مقلب القلوب کی بارگاہ میں گڑگڑایا جائے:

عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ قَالَ: قُلْتُ لِاُمِّ سَلَمَةَ: يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِينَ مَا كَانَ اَكْثَرُ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ عِنْدَكِ؟ قَالَتْ: كَانَ اَكْثَرُ دُعَائِهِ ((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ))، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَكْثَرَ دُعَائِكَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ! قَالَ: ((يَا اُمَّ سَلَمَةَ اِنَّهٗ لَيْسَ آدَمِيٌّ اِلَّا وَقَلْبُهٗ بَيْنَ اُصْبُعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰهِ، فَمَنْ شَاءَ اَقَامَ وَمَنْ شَاءَ

اَزَاغَ)) (سنن الترمذی' کتاب الدعوات' باب ما جا فِی عقدِ التسبیحِ بِالیدِ)

''حضرت شہر بن حوشب ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اُمّ سلمہ ؓ سے پوچھا: اے اُمّ المؤمنین! رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس اکثر کیا دعا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ (یعنی: اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ!) پھر فرمانے لگیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اکثر یہی دعا کیوں کرتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اُمّ سلمہ! کوئی شخص ایسا نہیں کہ اس کا دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو۔ وہ جسے چاہتا ہے (دین حق پر) قائم رکھتا ہے اور جسے چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔''

اسی کا مظہر ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ اِلَيْكَ بِاَبِيْ جَهْلٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ)) قَالَ وَكَانَ اَحَبَّهُمَا اِلَيْهِ عُمَرُ (راوی: ابن عمر ؓ، سنن الترمذی' کتاب المناقب' باب فِی مناقِبِ عمر بنِ الخطابِ ؓ)

''یا اللہ! ابوجہل اور عمر بن خطاب میں سے جو تجھے زیادہ پسند ہو اس سے اسلام کو تقویت پہنچا''۔ راوی فرماتے ہیں چنانچہ عمر ؓ ہی اللہ کے نزدیک محبوب نکلے۔''

جب انسان نتائج سے بے پرواہ ہو کر محض رضائے الٰہی کے حصول کے لیے سرگرمِ عمل رہتا ہے' تو اس کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آتی۔ بقول شاعر:

یہ فصل امیدوں کی ہمدم — اس بار بھی غارت جائے گی
سب محنت صبحوں شاموں کی — اب کے بھی اکارت جائے گی
کھیتی کے کونوں' کھدروں میں — پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو
پھر مٹی سینچو اشکوں سے — پھر اگلی رت کی فکر کرو
پھر اگلی رت کی فکر کرو — جب پھر اک بار اجڑنا ہے
اک فصل پکی تو بھر پایا — جب تک تو یہی کچھ کرنا ہے

۲) کامیابی کا غیر حقیقی معیار: دعوت کی کامیابی کو پرکھنے کا اصل معیار یہ نہیں ہے کہ دعوت کے نتیجے میں کتنے لوگ قافلہ تحریکِ اسلامی کا حصہ بنے ہیں۔ اخروی اعتبار سے اصل کامیابی رضائے الٰہی کے حصول میں ہے اور دنیوی اعتبار سے کامیابی کا حقیقی معیار یہ ہے کہ کتنے احباب سے مضبوط رابطہ قائم ہوا' کتنوں کے سامنے سنجیدگی سے دعوت پیش کی گئی اور کتنوں میں

اخروی کامیابی کی حقیقی طلب پیدا ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ کی نبوی زندگی کے مکی دور میں اگرچہ ایمان لانے والوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد ۱۵۰ تھی‘ لیکن آپ ﷺ کی حقیقی کامیابی اس بات میں پنہاں تھی کہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن بھی آپ کی دعوت کے برحق ہونے کے قائل ہو گئے تھے۔ اس ضمن میں اس امت کے فرعون ابوجہل کی گواہی مشہور و معروف ہے۔

داعیانِ دین کے لیے حد درجہ ضروری ہے کہ مندرجہ بالا داخلی وساوس و خیالات سے اپنے دامن کو بچانے کے لیے دعوت سے قبل اور اس کے دوران کثرت سے تعوذ کا اہتمام کریں‘ تاکہ ان شیطانی حملوں کے مقابلے میں نصرتِ الٰہی ہمارے شاملِ حال رہے۔

خارجی رکاوٹیں اور ان کا علاج

دعوت کے میدان میں بے شمار خارجی مسائل درپیش ہوتے ہیں۔ چند ایک کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے:

اولاً وعدہ خلافی: داعی کا یہ تجربہ ہے کہ احباب کی اکثریت دینی اجتماعات میں شرکت کا وعدہ کرنے کے باوجود شریک نہیں ہوتی۔ اس بنا پر داعیانِ دین اپنے مدعوئین کی طرف سے بدگمانیوں اور مایوسیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ مسئلہ وعدہ خلافی کا نہیں بلکہ ترجیحات کا ہے۔ داعی کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ہی موردِ الزام ٹھہرائے کہ وہ مدعو کی ترجیحات کو تبدیل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اپنی غلطی کا اعتراف ایک مخلص داعی کا اہم وصف ہوا کرتا ہے۔ نماز میں سجدۂ سہو کا حکم بھی اسی وصف کا ایک اظہار ہے۔ راہِ حق کے نمایاں ترین راہی مبلغ اعظم ﷺ کی دعوت اور محنت میں کسی کمی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا‘ لیکن آنجناب ﷺ معاندین و مخالفین کے ردّ و انکار کے نتیجے میں اپنی محنتوں میں اور اضافہ فرما دیا کرتے تھے کہ شاید میری ہی جانب سے کوئی کوتاہی ہو رہی ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جس میں باری تعالیٰ نے اپنی رحمت و شفقت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳﴾ (الشعراء)

(اے پیغمبر ﷺ!) شاید آپ اس غم میں اپنی جان ہلاک کیے جا رہے ہیں کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے!‘‘

چنانچہ لوگوں میں دعوت کی عدم مقبولیت کے نتیجے میں ہمیں اپنے لب و لہجے‘ الفاظ اور اندازِ گفتگو پر نظر ثانی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی چاہیے کہ ترجیحات اور دلوں کو

پلٹنے پر وہی ذات قادر ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی دعا ہی تھی جس نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔

ثانیاً احباب سے ملاقات کرنے سے گریز: عام طور پر ہم اس کوتاہی و غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ فلاں تو ہماری بات سنے گا ہی نہیں اور فلاں سے تو بات کرنا ہی بیکار ہے۔ لوگوں کے بارے میں ان فرضی خیالات کا قیام یا تو اس لیے ہوتا ہے کہ ہمیں اپنی دعوت پر اعتماد نہیں ہوتا یا ہمارے پاس دلائل کا فقدان ہوتا ہے یا مدعو پر ہمارے اپنے کردار کی خامیاں آشکار ہو چکی ہوتی ہیں جس کی بنا پر ہمیں کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہو رہی ہوتی۔ اپنی کوتاہیوں کو دور کرنے کے لیے مندرجہ ذیل لائحہ عمل اپنانے کی ضرورت ہے:

☆ رات کو سونے سے قبل مراقبہ موت کریں‘ ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کے بے پناہ انعامات و احسانات پر غور کریں۔

☆ ہر رات کسی ایک آیت یا حدیث پر بطریقِ تدبر غور کریں اور اس پر عمل کرنے کی تدابیر پر غور کریں۔ ایسا کرنے سے غور و فکر کی عادت پڑے گی اور غلطیوں کے اعتراف اور اعمال کی اصلاح کا رستہ کھلے گا۔

☆ رقتِ قلبی پیدا کرنے کے لیے علماء کرام کی جانب سے الترغیب والترھیب اور فضائل اعمال کے موضوع پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ مستقل بنیادوں پر رکھیں۔ سونے سے قبل ۳ سے ۵ منٹ تک قبر و حشر کے حالات کو اپنے اوپر طاری کرنے کی کوشش کریں۔

ان تمام امور کو مندرجہ ذیل آیت میں انتہائی خوبصورتی کے ساتھ سمو دیا گیا ہے:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۳۳﴾ (فُصِّلَتْ/حٰمٓ السجدة)

’’اور اُس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے اور نیک عمل کرے‘ اور یہ کہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل ہوں۔‘‘

دعوت کا نبویؐ اسلوب۔ دعوتِ دین بذریعہ انفرادی دعوت

کلمۂ حق کے بیان و ابلاغ کے اگرچہ بے شمار طریقے اور اسالیب ہو سکتے ہیں‘ لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جو دعوت انسان کو پائیدار انداز میں آمادۂ عمل کرتی ہے وہ ذاتی رابطے سے دی گئی دعوت ہے۔ ہینڈ بلز‘ بینرز‘ بروشرز‘ اور دیگر ذرائع ابلاغ سے کسی درجے میں

ابلاغ تو ہوسکتا ہے اور دعوتی لٹریچر' اجتماعات' کارنر میٹنگز اور کانفرنسوں سے لوگوں کے اندر تبدیلی کی ضرورت کا احساس بھی پیدا ہوسکتا ہے' لیکن اس احساس پر عمل ذاتی تعلق اور نگہداشت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت میں اہم ترین جز وذاتی تعلق ہی کا تھا۔ آپ کی شخصیت کے روحانی انوارات سخت سے سخت دل کو بھی موم بنا دیتے تھے۔ اظہارِ نبوت کے ابتدائی سال آپ ﷺ نے اپنے اہل وعیال' دوست احباب اور مکہ کے باسیوں کو انفرادی طور پر ہی دعوت دی۔ اسی عمل کے نتیجے میں **السّابقون الاوّلون** ایمان لائے' اور چراغ سے چراغ جلتا رہا۔ حکم ربانی کے تحت اگرچہ آپ ﷺ نے اپنے خاندان والوں کو بھی جمع فرما کر دعوت دی' اور کوہ صفا پر واصباحا کا نعرہ بھی بلند فرمایا' لیکن آپ ﷺ کی مستقل سنت گلی گلی پھر کر اللہ کے دین کی دعوت دینا تھی' اور یہی پائیدار اور مستحکم انداز ہے۔

دعوت کی غرض سے احباب سے انفرادی ملاقات سے قبل مندرجہ ذیل امور کا اہتمام ضروری ہے:

☆ سب سے پہلے اپنی اور اپنے مدعو کی ہدایت کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں۔
☆ ملاقات سے قبل مدعو کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کے نکات ذہن میں تیار کریں۔
☆ مدعو کے جذبات کو اپیل کرنے کے لیے متعلقہ مواد اور اندازِ گفتگو پر غور وفکر کریں۔
☆ دل کی قوت اور جذبۂ اخلاص کو پروان چڑھائیں۔
☆ یک طرفہ گفتگو کو مذاکرے میں بدلنے کے لیے تدابیر پر غور کریں۔
☆ مدعو سے sympathy (دوسروں کی تکلیف پر افسوس) کے بجائے empathy (دوسروں کی تکلیف کو خود محسوس کرنا) اختیار کریں۔
☆ اپنے آپ کو دعوت کا اولین مخاطب سمجھیں' اس سے دعوت میں تاثیر پیدا ہوگی۔

دعوتی عمل کا آغاز: فہرست کی تیاری: دعوتی کام کا آغاز تو اس وقت سے ہوجاتا ہے جب داعیٔ دین کے دل ودماغ میں دعوت وابلاغ کے حوالے سے جوش وجذبہ پروان چڑھتا ہے۔ زبانی دعوت سے قبل انسان اپنے عمل اور رویوں سے کسی نہ کسی شے کی طرف دعوت دے ہی رہا ہوتا ہے۔ البتہ نتیجہ خیز دعوت کے لیے اہداف کا تعین کر کے کامل منصوبہ بندی کے ساتھ دعوتی عمل کو آگے بڑھانا ضروری ہے۔ تحریکاتِ اسلامیہ کے ذمہ داران کے لیے ضروری ہے کہ اپنے رفقاء وکارکنان میں لوگوں کی اُخروی فلاح یقینی بنانے کے لیے وہ جذبہ پیدا کریں جو نبی اکرم ﷺ اور جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوا کرتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں اہداف کا تعین

کرنے کی بھی تربیت دیں۔ ہر داعی سے **الدِّیْنُ النَّصِیحۃ** اور **الاقرب فالاقرب** کے اصولوں کے مطابق احباب کی فہرست تیار کروائیں۔ احباب کے تعین کے لیے مختلف عنوانات قائم کریں' مثلاً بچپن کے ساتھی' اسکول کے طلبہ واساتذہ' کالج ویونیورسٹی' عزیز واقارب' پڑوسی' مسجد کے نمازی' وغیرہ۔ داعی کو اس بات کی بھی مشق کرنا چاہیے کہ کسی نام کو از خود مسترد نہ کرے' بلکہ یہ فیصلہ ملاقات کے بعد تک کے لیے مؤخر کرے۔

انفرادی ملاقات: ذمہ داران کو چاہیے کہ داعی کی عملی تربیت کے لیے حبیب سے کی جانے والی ملاقاتوں میں وہ خود بھی شریک ہوں۔ اس ابتدائی ملاقات میں مدعو سے تفصیلی گفتگو کے لیے محض وقت لیا جائے۔ اگر وہ کسی مسئلے میں الجھانا بھی چاہے تو بحث مباحثے میں الجھے بغیر اس سے تفصیلی ملاقات کے لیے وقت اور مقام کا تعین کروانے کی کوشش کی جائے۔ بعد ازاں تفصیلی ملاقات میں اپنے آنے کا مقصد بیان کیا جائے' اور خود زیادہ گفتگو کرنے کے بجائے مخاطب کی گزارشات سننے کا اہتمام کیا جائے۔ داعی کو چاہیے کہ وہ مدعو کے خیالات کو نوٹ کرے' گفتگو کو درمیان میں نہ کاٹے اور اس کی گفتگو کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ بعد ازاں مدعو کی جانب سے کیے گئے اعتراضات کا جواب دیا جائے' البتہ اس کا بھی انداز اپنائیت پر مبنی ہو نہ کہ مغائرت پر۔ اعتراض کو سنا جائے' اس سے متعلق مکمل معلومات حاصل کی جائے' اعتراض کا جو جز ومبنی برحقیقت ہو اسے تسلیم کیا جائے اور جو جز وخلافِ حقیقت ہو اس پر نرم لب ولہجے میں گفتگو کی جائے۔ پہلے اہم ترین اعتراض کا جواب دیا جانا چاہیے۔ داعی اپنی گفتگو میں مدعو کی ذہنی سطح کے مطابق واقعات' حکایات' اقوال اور دلائل کے ذریعے شواہد پیش کرے' جو انسانی نفسیات کو زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ چند ملاقاتوں کے بعد اس میدان کے عملی مسائل سے سابقہ پیش آنے پر داعی کے اندر خود اپنی بہتری کے لیے تڑپ پیدا ہوگی۔ اس موقع پر اٹھنے والی علمی پیاس کے لیے نصابی تربیت کا اہتمام کیا جائے' جس کے لیے مطالعاتی نصاب اور تربیتی ورکشاپس اور تدریسی اسباق کا انعقاد کیا جاسکتا ہے۔

مندرجہ بالا نکات محض اشارات پر مبنی ہیں' ورنہ داعیانہ تڑپ داعی کو دعوت کے بے شمار اسالیب اور گوشوں کی طرف آمادۂ عمل کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ذاتی اصلاح وتزکیہ کے ساتھ ساتھ دعوت الی اللہ کے فریضے کی ادائیگی کے لیے جذبہ واستقامت نصیب فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابیؓ ہیں۔ غلاموں میں آپ سب سے پہلے ایمان لائے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کی تبلیغ پر لبیک کہنا اُس وقت آسان بات نہ تھی' اس لیے آغازِ اسلام میں جس قدر تکالیف حضرت بلالؓ نے برداشت کیں' کسی دوسرے نے نہ کیں۔ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر دل و جان سے فدا تھے۔ اُن کا آقا اُن کو بری طرح پیٹتا' تپتی ریت پر لٹا دیتا' لہولہان کر دیتا' لڑکوں کے سپرد کر دیتا جو انہیں گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرتے۔ غرض جتنی تکلیف ممکن ہوسکتی' پہنچاتا۔ مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ بڑی جواں مردی کے ساتھ سب کچھ برداشت کرتے اور حرفِ شکایت کبھی زبان پر نہ لاتے۔ ایک دفعہ وہ اَحد اَحد پکار رہے تھے اور کفار انہیں پیٹ رہے تھے کہ ادھر سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ زور زور سے نہ کہو' دل ہی دل میں اللہ کا نام لے لو۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے' مگر پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا تو بلال رضی اللہ عنہ اَحد اَحد پکار رہے تھے۔ آپؓ نے پوچھا: خاموشی سے ذکر کیوں نہیں کرتے؟ بلالؓ کہنے لگے کہ خاموشی سے ذکر کر کے دیکھا ہے' لذت نہیں آتی۔ پکار کر ذکر کرتا ہوں تو اس قدر لطف آتا ہے کہ بے خودی کی کیفیت میں کفار کی مار پیٹ کا بھی احساس نہیں رہتا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آبائی وطن حبشہ تھا' اس لیے وہ بلالِ حبشیؓ کے نام سے مشہور ہیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا ہے کہ (دین کے معاملہ میں) سبقت لے جانے والے چار ہیں۔ میں عرب میں سے سبقت کرنے والا ہوں' صہیبؓ روم سے' سلمانؓ فارس سے اور بلالؓ حبشہ سے۔ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ عرب میں اجنبی تھے۔ جب ان کو مار پڑتی تو کوئی ان کی سفارش کرنے والا نہ ہوتا' اور نہ ہی کفار کو اُن کے خویش و اقارب کی طرف سے کوئی خوف ہوتا۔ چنانچہ اُمیہ بن خلف نامراد خوب جی بھر کر انہیں ستاتا۔ ایک دن اُمیہ بن خلف اور اس کے ساتھی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مار پیٹ رہے تھے کہ اس طرف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ آپؓ نے اُمیہ بن خلف کو ملامت کی۔ اُس نے کہا: تو نے ہی اسے بگاڑا ہے' اب تو ہی اسے چھڑا لے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں میں چھڑا لوں گا۔ میرے پاس ایک سیاہ فام غلام ہے جو بلالؓ سے زیادہ طاقتور اور تیرے دین پر پختہ ہے' اُسے ان کے بدلے میں دے دوں گا۔ اُمیہ بن خلف نے منظور کر لیا۔ پس صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کے بدلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کر دیا' اور اس طرح صدیق رسول ﷺ کی بدولت اس عاشقِ رسولؐ کو مستقل عقوبت سے نجات ملی۔ چونکہ وہ اسلام کی خاطر تکالیف برداشت کرنے میں منفرد تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی انہیں منفرد مقام حاصل ہوا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (معراج کے موقع پر) میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے اپنے آگے کسی کے قدموں کی آہٹ سنی۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بلالؓ ہیں۔ جب بلال رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو یاد کرتے تو خوشی سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔

جب مشرکینِ مکّہ نے مسلمانوں کا وہاں رہنا مشکل کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ ہجرت کر جانے کی اجازت دی۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ چند دوسرے صحابہؓ کے ساتھ شروع میں ہی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی معیت میں وہاں آ گئے۔ جب آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین میں مواخات قائم فرمائی تو حضرت بلالؓ مہاجر کو عبیدہ بن الحارث انصاریؓ کا بھائی بنایا۔

قریش مکہ نے مدینہ منورہ میں بھی مسلمانوں کو چین نہ لینے دیا۔ چنانچہ ہجرت کے اگلے ہی سال غزوۂ بدر کا معرکہ ہوا۔ دیگر جاں نثار صحابہ کرامؓ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا اور خوب دادِ شجاعت دی۔ یہاں تک کہ بدبخت اُمیہ بن خلف کو قتل کیا۔ خدا کی شان دیکھئے' ایک دن وہ تھا کہ بلالؓ بے یار و مددگار' اُمیہ کے ہاتھوں پٹتا تھا۔ لیکن آج اسی بلالؓ کی تلوار سے اُمیہ قتل ہو رہا ہے۔ ہر دور کے شوریدہ سر' سرکش' ظالم اور متکبّر لوگوں کے لیے اُمیہ کا قتل عبرتناک واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲ھ میں نماز باجماعت کا اعلان کرنے کے لیے اذان مقرر ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے پر مامور کیا۔ اس طرح حضرت بلالؓ جن کو پکار پکار کر اَحد اَحد کہنے کا شوق تھا' کی تمنا پوری ہوئی اور وہ سیّد المؤذّنین اور مؤذّنِ رسولؐ بنے۔ یہ وہ اعزاز تھا

کہ جس کے لیے حضرت علی ؓ بھی حسرت کے ساتھ کہا کرتے تھے: ''میں پچھتاتا ہوں کہ کاش رسول اللہ ﷺ سے کہہ کر حسنؓ و حسینؓ کو مؤذن کرا دیتا!''

حضرت بلال ؓ سفر اور حضر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ اور نماز کا وقت آنے پر اذان دیتے تھے۔ یہاں تک کہ سفر میں جہاں بلال ؓ اذان دیتے وہاں کے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے آنے کی اطلاع مل جاتی۔ یہ جو مشہور ہے کہ بلال ؓ اذان میں ش کی بجائے س بولتے تھے بالکل غلط ہے۔ حضور ﷺ کے ارشاد پر اذان کے وقت حضرت بلالؓ اپنی شہادت کی انگلیاں کانوں میں دے لیا کرتے تاکہ آواز زیادہ بلند ہو۔

اذان کے علاوہ حضرت بلال ؓ، رسول اللہ ﷺ کے حکم سے بعض اعلان بھی کیا کرتے تھے، مثلاً جہاد میں جانے کے لیے، مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے وغیرہ۔ جنگِ حُنین میں آنحضرت ﷺ نے بلال ؓ کو حکم دیا کہ کھڑے ہو کر اعلان کر دیں: ''جنت میں مؤمن کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا اور بلاشبہ اس دین کی تائید اللہ تعالیٰ بدکار آدمی کے ذریعہ بھی کریں گے!''

حضرت بلال ؓ رسول اللہ ﷺ کے خزانچی بھی تھے۔ اگر کوئی ضرورت مند آ کر سوال کرتا تو آپ ﷺ بلال ؓ کو حکم دیتے کہ اس کی ضرورت پوری کریں۔ چنانچہ وہ حکم کی تعمیل کرتے، خواہ قرض ہی لینا پڑے۔ ایک دفعہ حضرت بلال ؓ نے کچھ کھجوریں اکٹھی کر لیں تاکہ آنحضرت ﷺ کے مہمانوں کے کام آئیں۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ''اے بلال! خرچ کیے جاؤ اور عرش والے کی طرف سے کم ہو جانے کا خوف مت کرو!'' مال کے جمع کرنے سے آپ ﷺ سخت پرہیز کرتے تھے۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً اس ضمن میں حضرت بلال ؓ کو ہدایات دیتے رہتے۔ ایک دفعہ کچھ مال مسجد نبوی میں جمع ہو گیا اور سارا دن تقسیم کرنے کے باوجود بچ رہا۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو بلالؓ سے وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ کوئی اور سائل نہ آیا اور مال پڑا رہا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں مال کی موجودگی میں گھر نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ رات مسجد میں بسر کی۔ اگلے دن جب بلال ؓ نے بتایا کہ تمام مال تقسیم ہو چکا ہے تو پھر آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے۔ ایک دفعہ حضرت بلالؓ سے فرمایا: ''اے بلالؓ! تنگ دست ہو کر مرنا اور مالدار ہو کر مت مرنا!''

حضرت بلال ؓ کو نبی مکرم ﷺ سے حد درجہ محبت تھی۔ اس لیے آپ ﷺ کی ہر ادا ان کو بھاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کئی کئی دن تک بھوک اور پیاس برداشت کرتے۔ چنانچہ بلال ؓ بھی فاقے سے رہتے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر تیس دن رات ایسے گزرے ہیں

کہ میرے اور بلالؓ کے کھانے کے لیے جاندار کی خوراک میں سے صرف اتنی چیز تھی جو بلالؓ کی بغل میں چھپی ہوئی تھی۔

ایک دفعہ حضرت بلال ؓ بارگاہِ نبوت میں صبح کے وقت حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کھانا نوش فرما رہے تھے۔ آپؐ نے بلال ؓ کو کھانے میں شریک ہونے کو کہا۔ انہوں نے جواب دیا: اللہ کے رسول! میرا روزہ ہے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: ''ہم اپنا رزق کھا رہے ہیں اور بلال کا رزق جنت میں محفوظ ہے!'' پھر آپ ﷺ نے بلال سے فرمایا: ''بلالؓ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح میں مشغول رہتی ہیں اور اس کے لیے فرشتے استغفار کرتے ہیں، جب تک اُس کے پاس کھایا جاتا رہے۔''

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، حضرت بلال ؓ سفر اور حضر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ آپؐ کے ہر قول و فعل کو غور سے دیکھتے تھے اور اس کی پیروی کرتے تھے۔ تمام غزوات میں وہ آپؐ کے ساتھ رہے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ حضرت بلالؓ کے اس امتیاز پر رشک کرتے تھے۔ ایک دفعہ عید کی نماز کے موقع پر آپ ﷺ خطبہ ارشاد کرنے کھڑے ہوئے تو حضرت بلالؓ کو اپنے برابر کھڑا کر لیا اور ان کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال ؓ کو بارگاہِ رسالت میں کس قدر قرب حاصل تھا۔

ایک دفعہ حضرت بلال ؓ اعلیٰ قسم کی کھجوریں لے کر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: یہ کہاں سے آئی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے پاس خراب کھجوریں تھیں، میں نے اُن کے دو صاع کے بدلے میں یہ اچھی کھجوریں ایک صاع لے لی ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا: اُف، یہ تو سراسر سود ہے، ایسا نہ کیا کرو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ خراب کھجوروں کو کسی اور دوسری چیز کے بدلے بیچ دو۔ پھر جو چیز تم نے اپنی کھجوروں کی قیمت میں لی ہے اُس کو قیمت میں دے کر وہ اچھی کھجوریں خرید لو۔''

رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی تو بلالؓ کے لیے مدینہ میں رہنا محال ہو گیا۔ انہوں نے عمر کا باقی حصہ جہاد فی سبیل اللہ میں بسر کرنے کا ارادہ کر لیا اور ملک شام چلے گئے۔ ایک دفعہ حضرت عمر ؓ اپنے زمانۂ خلافت میں ملک شام گئے تو حضرت بلال ؓ سے ملاقات ہوئی۔ امیر المومنینؓ کی فرمائش پر حضرت بلال ؓ نے اذان پڑھی۔ کہتے ہیں کہ اُس دن حضرت عمر ؓ زمانۂ نبویؐ کو یاد کر کے بہت روئے۔

حضرت بلال ؓ نے ملک شام میں شادی کر لی، مگر آپؓ کی اولاد کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

حضرت بلال ؓ کو ملک شام میں سکونت اختیار کیے کافی عرصہ گزر گیا' تو ایک بار انہیں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپؐ نے فرمایا: بلال! یہ کیا بے وفائی ہے' کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہمارے پاس آؤ؟ خواب سے بیدار ہوئے تو مدینہ کی طرف چل پڑے۔ قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور جذبات پر قابو نہ پا سکے۔ اتنے میں سبطین رسولؐ (حسن اور حسین ؓ) وہاں آ گئے۔ ان کو دیکھ کر ان کے ساتھ پیار و محبت کیا۔ بعد ازاں انہوں نے اذان کی فرمائش کی۔ جب بلالؓ نے فجر کے وقت اذان دی تو مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ لوگوں نے بلال ؓ کی اذان سنی تو انہیں عہد نبویؐ یاد آ گیا اور وہ اس قدر روئے کہ پہلے کبھی اتنا نہ روئے تھے۔

اسلام کا سچّا فرزند اور رسول اللہ ﷺ کا عاشق صادق دِمشق میں ۲۰ ھ میں فوت ہو گیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۶۳ برس تھی۔ حضرت بلالؓ رسول اللہ ﷺ کے مؤذّن اور خازن تھے۔ وہ آپؐ کے سفر اور حضر کے ساتھی اور جنگ و امن میں رفیق تھے۔ انہوں نے اسلام کی خاطر سخت سے سخت تکالیف برداشت کیں۔ حضرت عمر فاروق ؓ' حضرت بلال ؓ کو سیدنا بلال کہہ کر پکارتے تھے!

❁❁❁

بقیہ: دعوتِ فکر

حاصل کلام

آج ایک ذہین مسلم پاکستانی نوجوان جانتا ہے کہ ایک پاکستانی ہونے کا کیا مطلب ہے اور بحیثیت قوم پاکستانیوں کا کیا مقصد ہے۔ پاکستانی ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ جنوب ایشیا کی ایک ایسی قوم کا فرد ہے جو دریائے سندھ کے کنارے بنی اور سنوری ہے' جس کی پانچ ہزار سالہ تاریخ موہنجودڑو تک جاتی ہے۔ پاکستانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ **لا اِلٰـہ اِلا اللّٰہ** کا اقراری' **محمد رسول اللّٰہ** ﷺ کا ماننے والا اور قرآن و سنت کو دستور العمل جاننے والا ایک ایسے گروہ کا ممبر ہے جو حضرت آدم ؑ سے لے کر خاتم النبیّین محمدؐ رسول اللہ ﷺ جیسے اولوالعزم انبیاء کی قیادت میں ساری انسانیت کو اللہ کی بندگی کے پرچم تلے جمع کرنے کے لیے تاریخ کے دھاروں سے گزرتا چلا آ رہا ہے' اور آج بھی سارے عالم میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مصروف ہے۔ اور پاکستان کا قیام عالم گیر اسلامی ریاست کے قیام کی جدّوجہد کا ایک سنگ میل ہے۔ ع ''ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں!'' ❁❁❁

جہیز یا نقد رقم کے مطالبے پر ایک فتویٰ

مولانا برہان الدین سنبھلیؒ ☆

ہمارے بزرگ انجمن خدام القرآن سندھ کراچی کے نائب صدر جناب عبدالرزاق کوڈواوی صاحب کافی عرصہ پہلے ہندوستان کے دینی دورے پر تشریف لے گئے تھے‘ جہاں آپ نے ہندوستان کے دیگر دینی مقامات کا دورہ کیا‘ وہاں مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اُن دنوں حضرت علی میاںؒ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر تھے۔ حضرت نے ہندوستان بھر میں معاشرتی اصلاح کے حوالے سے ایک جامع تحریک اسی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تحت برپا فرمائی تھی‘ جس کے حوالے سے کئی اہم اقدامات کیے گئے۔ ساتھ ہی ایک جامع فتویٰ حضرت علی میاںؒ کے پیش لفظ کے ساتھ شائع ہوا‘ جس میں جہیز یا نقد رقم کے مطالبے کی شرعی حیثیت پر مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کی انتہائی قیمتی تحریر شائع کی گئی۔ یہ کتابچہ ہندوستان لکھنؤ ہی سے شائع ہوا تھا‘ پھر عرصے سے غیر مطبوعہ‘ غیر موجود ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ محترم عبدالرزاق کوڈواوی صاحب کے پاس اپنے سفر ہندوستان کی یادگار کے طور پر وہ کتابچہ موجود تھا‘ جو موصوف نے بربنائے شفقت راقم کو عنایت فرمادیا۔ زیرنظر صفحات میں وہی تحریر قارئین میثاق کے لیے چند مراحل سے گزارنے کے بعد پیش کی جارہی ہے۔ ان سطور میں اس تحریر کا تعارف پیش کرنا مقصود ہے۔ اس تحریر کو بارِ اوّل ۱۹۸۶ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تحت ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا گیا۔ مکمل نام اس طرح ہے: ’’شادی کے سلسلے میں جہیز یا نقد رقم کا مطالبہ: ہندوستانی معاشرے کا خطرناک مرض اور غضبِ الٰہی کو دعوت دینے والی رسم۔ شرعی احکام اور تجربات کی روشنی میں‘‘ از مولانا محمد برہان الدین سنبھلیؒ استاذ تفسیر و حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء‘ رکن مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ و ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء۔ اس کتابچے پر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک وقیع پیش لفظ تحریر فرمایا ہے۔ مولاناؒ پس منظر بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

☆ ندوۃ العلماء لکھنؤ

’’اسی احساسِ ذمہ داری اور خوفِ خدا کی بنا پر راقم نے مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی‘ استاذ تفسیر و حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء سے‘ جو آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اہم رکن بھی ہیں‘ اور جن کی نظر کتاب وسنت اور فقہ وفتاویٰ کے ذخیرے پر گہری بھی ہے اور وسیع بھی‘ اور اسلام کے عائلی قوانین اور نظام معاشرہ پر ان کے کئی فاضلانہ رسائل اور تحقیقی کتابیں نکل چکی ہیں‘ درخواست کی کہ وہ اس صورت حال کا قرآن و حدیث اور قدیم و جدید فقہ وفتاویٰ کی کتابوں کی روشنی میں جائزہ لیں‘ اس کا شرعی حکم بیان کریں اور مقاصدِ شریعت‘ اللہ و رسول ﷺ کے منشا اور اسلام کے نظام عدل کو سامنے رکھ کر اس کا خلافِ اسلام‘ خلافِ انسانیت اور تمدن و معاشرہ کے لیے خطرناک و تباہ کن ہونا واضح کریں۔ مولانا نے باحسن وجوہ اس مقصد کی تکمیل کی اور اس سلسلے میں ایسا علمی وفقہی مواد جمع کردیا‘ جو خود بہت سے اہلِ علم ونظر کی معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔ ضرورت ہے اس مقالے کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔ اصلاحی وتربیتی کام کرنے والے اور علماء وائمہ وخطباء اس کو اپنا موضوع تقریر وتحریر بنائیں اور مجالس و تقریبات میں اس کو اپنے اپنے انداز میں پیش کریں‘ نوجوان اس پر عمل کرنے کا معاہدہ کرلیں‘ اپنے دوستوں اور عزیزوں سے عہد و وعدہ لیں کہ وہ اس قبیح رسم سے نہ صرف خود احتراز کریں گے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے متنفر و مجتنب بنانے کی کوشش کریں گے۔ اگر ضرورت ہو تو اس کے خلاف دستخطی مہم اور تحریک چلائیں گے‘ یہاں تک کہ اگر خود لڑکی کے سرپرستوں اور اولیاء کی طرف سے اس کی پیش کش ہو تب بھی اس کو قبول نہ کریں گے۔ یہ دین واخلاق اور اصلاح وتبلیغ کا ایک اہم ترین تقاضا اور مسلم معاشرے کی حفاظت کا ایک اہم ترین مطالبہ ہے اور اس میں کوتاہی وغفلت بڑے خطرات کا پیش خیمہ اور خدا اور رسول ﷺ کی ناراضی وناپسندیدگی کا ذریعہ ہے۔

﴿وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾﴾ (الانفال)

’’اور اُس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کے ساتھ انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں گناہ گار ہیں‘ اور جان رکھو‘ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔‘‘

واضح رہے کہ حضرت علی میاںؒ کی یہ تحریر یکم ربیع الاول ۱۴۰۷ھ / ۱۵ نومبر ۱۹۸۶ء کی ہے۔ کاش قوم اس اہم پکار پر کان دھرتی‘ والی اللّٰہ المُشتکیٰ۔ ہم نے مرکز تعلّم وتحقیق قرآن

اکیڈمی یٰسین آباد کے تحت اس مقالے پر تخریج اور حوالوں کا اضافہ کیا ہے اور شعبۂ مطبوعات کے تحت اس کی از سرِ نو کمپوزنگ کی ہے۔ اس مقالے کے کئی محاسن ہیں۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ صاحب کی برپا کردہ شادی بیاہ کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک کے بہت سے نکات کے لیے نصوص اور جزئیاتِ فقہیہ کے حوالے دستیاب ہوتے ہیں جو قارئین میثاق اور وابستگان تحریک کے لیے فوری حوالے (Ready Reference) کا کام دیں گے۔ خصوصاً ایک بات جو بانی محترمؒ ذکر فرماتے تھے: ''سیدنا علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے نکاح کے موقع پر جو سامان فراہم کیا گیا ہرگز مروّجہ جہیز کی دلیل نہیں بنتا''۔ اس مقالے میں مولانا سنبھلیؒ نے اس واقعے اور مسئلے پر عمدہ دلائل پیش فرما دیے ہیں۔

اس مضمون کے مطالعے سے' ان شاء اللہ' یہ غلط فہمی بھی دور ہو جائے گی کہ اسلام کے قانون کے ذریعے اخلاقی تعلیمات کو قابلِ عمل نہیں بنایا جا سکتا۔ دراصل ہمارے فقہاء نے فقہ اسلامی کو مرتب کرتے ہوئے قانون اور اخلاق کے مابین درکار توازن یقینی بنانے کی کوشش کی ہے' جو ایک گراں قدر خدمتِ اسلام ہے' **فجزاهم الله احسن الجزاء!**

راقم الحروف: اویس پاشا قرنی' مدیر قرآن اکیڈمی یٰسین آباد' کراچی

۞۞۞

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلاۃ والسّلام علی رسولہ الامین

محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

یہ حقیقت تسلیم کرنے میں شاید ہی کسی صاحبِ نظر کو تأمل ہوگا کہ مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات اور شرعی احکام سے انحراف' یا ان کے بارے میں تساہل و بے اعتنائی کا رویہ اختیار کر کے آخرت کے خسارے کا خطرہ مول لینے کے ساتھ دنیاوی نقصانات بھی کچھ کم نہیں اٹھائے' کیوں کہ مسلمانوں کی تاریخ کا ہر ورق اس کا شاہد ہے کہ انہیں جب کبھی نقصان پہنچا' خواہ چھوٹا ہو یا بڑا (جو عموماً قانونِ شریعت کی خلاف ورزی کی نوعیت کے بقدر ہی بڑھتا گھٹتا رہا ہے) اسی وجہ سے پہنچا۔ اس مسلسل تجربے کی بنا پر (جس کا مشاہدہ صدیوں بلکہ ایک ہزار سال سے زائد برابر ہو رہا ہے) یہ توقع بے جا نہ تھی کہ آخرت کے خوف سے نہ سہی' دنیاوی نقصانات سے بچنے کی خاطر ہی اب کم سے کم ان احکامِ شریعت کی خلاف ورزی سے تو باز آ جائیں گے'

جن کے روبہ عمل نہ لانے کے ہی نتیجے میں پیہم ناکامیوں اور شدید سے شدید تر خساروں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے' لیکن عوام کی یہ ''استقامت'' اور ''ہمت'' بھی قابل داد ہے کہ ان کی عمومی روش میں کوئی خاص تبدیلی تو کیا آتی' اس کے آثار تک نظر نہیں آ رہے ہیں (الا ماشاء اللہ) بلکہ شاید بعض اہلِ نظر کا یہ احساس بے جا نہ ہو کہ بے راہ روی کی یہ ''خو'' کچھ بڑھ ہی رہی ہے' یعنی اس کے لیے نئے نئے میدان تلاش کر لیے گئے ہیں یا بالفاظِ صحیح موجودہ دور میں خود ہاتھ آ گئے ہیں۔ اس صورتِ حال پر دلی دکھ اور صدمہ کا اظہار ہر زمانہ کے مصلحین اور اہلِ درد نے کیا ہے (کہ بحمد اللہ جن سے کوئی دَور خالی نہیں رہا)۔ ہمارے اس زمانہ کے بھی بہت سے اصحابِ دل اور باخدا حضرات اپنی اپنی قلبی اذیت کا بار بار زبانِ قلم اور دیگر ذرائع سے برملا اظہار کر چکے ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔

راقم سطور اس بلند پایہ گروہ میں شمار کے لائق تو کسی درجہ میں نہیں' البتہ ان ''اصحابِ دل'' کی قلبی تکلیف کا کبھی ہلکا سا اندازہ کر کے متاثر ہو جاتا' پھر اپنا ٹوٹا پھوٹا قلم ہاتھ میں لے کر بیٹھ جاتا' گویا انگلی کو لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے تاکہ ان پاک بازوں کی جوتیوں میں ہی جگہ ملنے کا کسی درجہ میں استحقاق ہو جائے..... چہ عجب گر بہ نوازند گدارا!

اگرچہ اس وقت کم سے کم ہندوستان کے مسلمانوں کی صورتِ حال ''تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم''[1] کا مصداق بنی ہوئی ہے' اس لیے سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ پہلے کون سا ''داغ'' لیا جائے اور اس پر ''پنبہ'' (روئی کا پھایا) رکھنے کا کام شروع کیا جائے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ مسلمانوں میں بگاڑ ہمہ جہتی ہونے کے باوجود ''معاشرتی'' اور ''معاملاتی'' میدانوں میں جس درجہ پھیلا ہے' اس درجہ شاید دوسرے بعض گوشوں مثلاً عبادات میں نہیں ہے۔ یہ تو بتانے کی ضرورت نہیں کہ معاشرتی اور معاملاتی قوانین کی خلاف ورزی کس درجہ فساد اور بگاڑ کا سبب بنتی ہے' لیکن اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ موجودہ ہمہ گیر فساد اور خرابی کا واحد سبب اگر اسے (یعنی شرعی احکامِ معاشرت و معاملات کی خلاف ورزی کو) قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان معاشرتی خرابیوں میں غالباً آج کل سب سے بڑھ کر اور دُور رَس مہلک نتائج کی حامل' شادی بیاہ کے موقع پر ہونے والی رسمیں اور فضول خرچیاں ہیں' جس پر عرصہ سے مصلحینِ امت ''امت'' کو متوجہ کرتے چلے آ رہے ہیں' اور ان کی بیخ کنی کے لیے ممکن تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔ اس موقع پر ہونے والی ایک قدیم رسم جس کا خیر القرون سے پتا چلتا ہے' اور اُسی وقت

سے ازالہ کی تدابیر کا بھی اہتمام ہو رہا ہے کہ ''مہر'' غیر معمولی بلکہ فرضی مقدار کا باندھنا ہے' جس کے خلاف خود نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

((اِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤُونَةً))(۲)

''سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہوتا ہے' جس میں مالی بار کم سے کم پڑے۔''

اور پھر غالباً اسی سے روشنی پا کر خلیفۂ ثانی و عادل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ چاہا تھا کہ مہر کی زیادہ مقدار پر ایک حد قائم کر کے قانونی پابندی لگا دی جائے(۳)۔ اس کے علاوہ ایک رسم وسیع پیمانے پر یعنی مالی حیثیت اور وسعت سے کہیں زیادہ ضیافت ہے کہ جس کے لیے بسا اوقات سودی قرضہ لینے کی نوبت آ جاتی ہے جس کا حاصل سوائے وقتی واہ واہ اور نام ونمود کے کچھ نہیں ہوتا' اور بعض اوقات یہ حقیر غرض بھی حاصل نہیں ہوتی' بلکہ الٹا شکایات ہی حصے میں آتی ہیں۔

پھر ایک یہ غلط رواج پڑا کہ لڑکی کا والد' اپنے ہونے والے داماد سے' لڑکی کے نکاح یا رخصتی پر پہلے خطیر رقم حاصل کر لیتا تب ہی رخصتی یا نکاح کرتا۔ یہ رقم مہر کے علاوہ ہوتی' اس کے بغیر مرد کو بیوی کا ملنا گویا ممکن نہ ہوتا۔ دنیا کے بعض حصوں' مثلاً افغانستان اور عرب ملکوں میں بتایا جاتا ہے اب تک یہی رواج ہے۔

جب یہ رواج پھیلا تو علماء و مصلحین نے بلا کسی رو رعایت کے' صاف کہا کہ ایسی رقم کا لینا شرعاً حرام ہے' کیوں کہ وہ رشوت ہے اور اس کا لوٹانا ضروری ہے' مثلاً مشہور حنفی فقیہہ علامہ زین الدین بن نجیم مصری نے فرمایا:

أَخَذَ أَهْلُ الْمَرْأَةِ شَيْئًا عِنْدَ التَّسْلِيمِ فَلِلزَّوْجِ أَنْ يَسْتَرِدَّهُ ، لِأَنَّهُ رِشْوَةٌ(۴)

''رخصتی کے وقت عورت کے گھر والوں نے کچھ لیا تو اسے شوہر کو واپس لینے کا شرعاً حق ہے' کیوں کہ جو کچھ دیا گیا تھا وہ رشوت ہے۔''

اور علامہ ابن عابدین شامی نے تو اس سے بڑھ کر ایسی رقم کو ''سُحت'' قرار دیا۔

وَمِنَ السُّحْتِ: مَا يَأْخُذُهُ الصِّهْرُ مِنَ الْخَتَنِ بِسَبَبِ بِنْتِهِ بِطِيبِ نَفْسِهِ حَتّٰى لَوْ كَانَ بِطَلَبِهِ يَرْجِعُ الْخَتَنُ(۵)

''سُحت (حرام اور ناپاک مال) وہ بھی ہے جو خسر اپنے داماد سے اپنی لڑکی کے نکاح یا رخصتی پر لیتا ہے' چاہے دینے والے نے بظاہر خوش دلی سے دیا ہو' چناں چہ اگر چاہے تو داماد اس کو واپس لے سکتا ہے' اگر طلب پر دیا تھا۔''

اور علامہ موصوف نے ''سُحت'' کی تشریح بھی فرما دی ہے کہ:

اَلْحَرَامُ أَوْ مَا خَبُثَ مِنَ الْمَكَاسِبِ فَلَزِمَ عَنْهُ الْعَارُ(۶)

''حرام اور خبیث طریقے سے حاصل شدہ چیز جس سے (ہر شریف آدمی کو) عار محسوس ہو۔''

ان کے علاوہ بھی دیگر فقہاء اس امر پر متفق نظر آتے ہیں' چناں چہ فتاویٰ عالم گیری میں فقیہہ ابن نجیم کا مذکورہ بالا قول اس انداز سے نقل کیا گیا ہے' جس سے اس کا مسلّم و مفتیٰ بہ ہونا (قانونِ شریعت ہونا) معلوم ہوتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ہی میں اور بھی ایسے جزئیات ملتے ہیں جن سے اس امر کا مسلّم ہونا ثابت ہوتا ہے' مثلاً یہ جزئیہ ملتا ہے:

خَطَبَ امْرَأَةً فِي بَيْتِ أَخِيهَا، فَأَبَى أَنْ يَدْفَعَهَا حَتّٰى يَدْفَعَ إِلَيْهِ دَرَاهِمَ، فَدَفَعَ وَتَزَوَّجَهَا، يَرْجِعُ بِمَا دَفَعَ لِأَنَّهَا رِشْوَةٌ(۷)

''کسی شخص نے ایسی عورت کو نکاح کا پیغام دیا' جو اپنے بھائی کے گھر میں رہتی تھی' بھائی نے کچھ رقم لیے بغیر نکاح کرنے سے انکار کر دیا' تو اس شخص نے مطلوبہ رقم دے دی اور اس عورت سے نکاح کر لیا' تو اب اسے حق ہے کہ دی ہوئی رقم واپس لے لے' کیوں کہ یہ رشوت ہے۔''

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ دیگر معتبر ترین کتبِ فقہ میں اور مستند فقہاء کے یہاں بہت سے ایسے جزئیات و فتاویٰ ملتے ہیں' جن سے مذکورہ بالا حکم کی تائید و توثیق ہوتی ہے' مثلاً فقہ حنفی کی معتبر ترین کتاب ''فتاویٰ قاضی خاں'' میں ہے:

رجل خطب امرأة وهي تسكن في بيت اختها و زوج اختها لا يرضى بنكاح هذا الرجل الا أن يدفع اليه دراهم فدفع الخاطب اليه دراهم كان له أن يسترد ما دفع اليه لأنه رشوة(۸)

اس عبارت (جزئیہ) کا مطلب بھی تقریباً وہی ہے جو اوپر والی عبارت کا' یعنی اس میں بھی وہی مسئلہ بیان کیا گیا ہے' بس فرق اتنا ہے یہاں وہ عورت اپنے بہنوئی کے پاس مقیم ہے اور بہنوئی نے رقم طلب کی' اوپر کی عبارت میں بھائی کے پاس ہونا اور اسی کا رقم طلب کرنا مفروض ہے' دیگر تفصیلات بالکل وہی ہیں۔

ایک اور مشہور کتاب الوسيلة الاحمدية شرح الطريقة المحمدية میں یہ مسئلہ بہت وضاحت کے ساتھ مذکور ہے' اس میں ہے:

لعن رسولُ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم الراشي والمرتشي، ومن الرّشوة ماأخذ وليّ المرأة قبل النكاح ، اذا كان بالسؤال أو كان اعطاء الزوج بناء

علی عدم رضائه علی تقدیر عدمه(۹)

''رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت بھیجی ہے' اور یہ بھی رشوت ہی ہے کہ عورت کا سرپرست اس کے نکاح سے قبل عورت کے ہونے والے شوہر سے کچھ لے' خواہ مانگ کر لے یا وہ شوہر اس بنا پر دے کہ اگر نہ دے گا تو عورت کا سرپرست اس سے نکاح کرنے پر راضی نہ ہوگا۔''

بنا بریں ہندوستان کے تمام ممتاز علماء وارباب فتویٰ نے بھی اسی کے مطابق فتاویٰ دیے ہیں۔ مثلاً گزشتہ صدی کے سب سے ممتاز اور وسیع النظر فقیہہ و عالم مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے مجموعۂ فتاویٰ میں یہ فتویٰ ملتا ہے جو مع استفتاء یہاں نقل کیا جارہا ہے:

ما قولکم رحمکم الله اندر ایں که اولیائے منکوحه حین النکاح چیزے از ماکولات و مشروبات و نقدیات که ماسوائے زیورو مهرِ مصرح ومهرِ مسکوت عنه است برائے اطعام و اعطائے اهلِ محله بر وجه شرط که اگر اشیائے مذکوره بدهند اولیائے منکوحه در ازواج والنکاح آں راضی شوند ورنه نه، ازناکح و خاطب میگیزند پس ایں قسم گرفتن شرعاً درست است یا نه۔

''اس مسئلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں: منکوحہ کے سرپرست نکاح کے وقت کھانے پینے وغیرہ کا سامان اور نقد روپیہ' علاوہ زیور اور مہر مقرر' مصرح وغیر مصرح' اس شرط پر لیتے ہیں کہ اگر یہ دیا جائے گا تو نکاح پر سرپرست راضی ہوں گے ورنہ نہیں' تو اس قسم کی چیزوں کا لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟''

اس سوال کا نہایت محققانہ وتفصیلی جواب یہ دیا گیا ہے:

الجواب مستعیناً باللّٰه العظیم ومستنصراً بالرحمٰن الرحیم۔ گرفتن ایں قسم چیزها شرعاً جائز نیست و درست نیست، قال فی الوسیلة الاحمدیة، شرح الطریقة المرأة قبل النکاح اذا کان بالسؤال أو کان اعطاء الزوج بناء علی عدم رضائه علی تقدیر عدمه.. وقال فی ردّ المحتار من السخط (من السحت؟)الخ۔ وقال فی المعدن لا یجوز لأب البنت أن یأخذ من الخاطب شیئا لانه رشوة۔ وقال فی العالمغیریة: خطب امرأة فی بنت اخیها فأبیٰ أن یدفع الیه دراهم فدفع و تزوجها یرجع بما دفع لانه رشوة۔ کذا فی القنیة۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ ان چیزوں کا لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اس کے بعد یہاں وہ عبارتیں بطور سند ذکر کی گئی ہیں' جو اوپر مع ترجمہ گزر چکی ہیں۔

وقال فی قاضی خان: رجل خطب امرأة وهی تسکن فی بیت اختها وزوج اختها لا یرضی بنکاح هٰذا الرجل الا أن یدفع الیه دراهم فدفع الخاطب الیه دراهم کان له أن یسترد ما دفع الیه لأنه رشوة۔ انتهی۔

یہ فتویٰ اگرچہ ''چاٹگام'' کے مولانا اشرف علی نامی ایک عالم کا لکھا ہوا ہے لیکن اس پر حضرت مولانا فرنگی محلی نے حسبِ ذیل تائیدی عبارت لکھ کر دستخط کیے ہیں:

صح الجواب واللّٰه أعلم بالصواب، ویوافقه ما فی البحر الرائق لو اخذ اهل البیت شیئا عند التسلیم فللزوج ان یسترده لانه رشوة۔انتهی۔(۱۰)

''جواب صحیح ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے۔ اور اس جواب کی تائید 'البحر الرائق' کی اس عبارت سے ہوتی ہے.....''

اس کے بعد وہ عبارت نقل کی ہے جو اوپر مع ترجمہ ذکر ہو چکی ہے۔

اس محققانہ اور فاضلانہ فتوے کے بعد اگرچہ مزید کسی مفتی یا عالم کے فتوے کی نقل پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی لیکن برصغیر کے سب سے بڑے فقہ وفتاویٰ کے مرکز ''دارالعلوم دیوبند'' کے مفتیوں کے فتاویٰ کے بغیر شاید تشنگی محسوس کی جائے۔ اس لیے پہلے وہاں کے سب سے اقدم واعلیٰ مفتی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ صاحب کے مطبوعہ مجموعہ فتاویٰ سے چند فتووں کے مختصر حوالے پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ سے سوال کیا گیا:

''سوال نمبر ۱۲۴۰۸۳۸: اولیاء مخطوبہ کو خاطب سے مہر کے سوا اور کچھ لینا اور مہر لے کر اس میں تصرفِ مالکانہ کرنا اور دعوت وغیرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟''

اس کا جواب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے حسبِ ذیل دیا ہے:

''الجواب: اولیاء مخطوبہ کو زرمہر سے کچھ لے کر اس میں تصرف بے جا کرنا درست نہیں اور غیر مہر سے کچھ لینا' زوج وغیرہ سے اس کو فقہاء نے رشوت سے تعبیر کیا ہے۔''(۱۱)

اس کے علاوہ حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کا جو مستقل مجموعہ مولانا ظفیر الدین صاحب کی ترتیب وحاشیہ کے ساتھ خود دارالعلوم دیوبند کے اہتمام سے طبع ہوا ہے' اس میں بھی اسی قسم کے متعدد فتاویٰ موجود ہیں (مثال کے لیے دیکھئے فتاویٰ دارالعلوم مدلّل ومکمل جلد ہفتم ص ۲۴۷'

ص ۵۰۳، ص ۵۰۵)۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مطبوعہ مجموعہ فتاویٰ میں بھی ایک فتویٰ سے یہی واضح ہوتا ہے۔ (۱۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سابق مفتی اعظم پاکستان، صدر و مفتی دارالعلوم دیوبند کے مطبوعہ مجموعۂ فتاویٰ (امداد المفتین) میں بھی مفتی صاحب موصوف کے متعدد فتوے اسی مضمون کے موجود ہیں۔ مثلاً ایک فتویٰ یہ ہے: ''عورت کے خویش واقرباء جو کچھ رقم اپنے لیے لے کر نکاح کرتے ہیں، یہ رشوت ہے، رقم لینا اور دینا جائز نہیں اور اگر دے دی ہے تو شوہر کو حق ہے کہ بعد نکاح واپس لے لے، **کذا ذکرہ الشامی فی باب المهر** (۱۳)۔'' (اس کے بعد مفتی صاحبؒ نے شامی کی البحر الرائق کے حوالہ سے وہ فقہی روایت نقل کی ہے، جس کا ذکر اوپر مع حوالہ آچکا ہے۔)

خلاصۂ کلام یہ کہ جس زمانہ میں جس قسم کی خلافِ شرع رسوم ورواج کا عموم ہوا، علمائے امت نے بروقت اس کے سدِ باب کی کوشش کی اور حکم شرعی کا برملا اظہار کر کے اتمامِ حجت کیا۔ لیکن ادھر کچھ مدت سے مذکورہ رسم کے بالکل برعکس، یعنی بجائے شوہر سے رقم کے مطالبہ کرنے کے، شادی کے وقت لڑکی (یا اُس کے اولیاء) سے رقم وغیرہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے جو بسا اوقات اتنی خطیر رقم کا ہوتا ہے کہ غریبوں کا تو ذکر ہی کیا..... متوسط الحال لوگوں کے لیے بھی اس کو پورا کرنا آسان نہیں ہوتا۔ بعض علاقوں میں تو یہ رسم وبا کی طرح پھیل رہی ہے، جس کے نتیجے میں ایسے ہول ناک مسائل کھڑے ہو رہے ہیں کہ ان کی تفصیل جان کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انسانیت کی پیشانی ندامت سے عرق آلود ہو جاتی ہے۔ اس کا ایک محسوس اور کھلا ہوا ضرر اور نقصان تو یہ سامنے آرہا ہے کہ لڑکیاں بغیر شادی کے بوڑھی اور سن رسیدہ ہو جاتی ہیں، کیوں کہ شوہر کو خریدنے کے لیے ان کے یا ان کے اولیاء کے پاس اتنی رقم نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ فطری اور طبعی تقاضا کے صحیح طریقے پر پورے نہ ہونے کی وجہ سے جو مفاسد پھیلتے یا پھیل سکتے ہیں، ان کا اندازہ کر لینا بھی کسی باشعور کے لیے مشکل نہیں، مثلاً بدکاری عام ہوتی ہے، قحبہ خانوں کی آبادی بڑھتی، بلکہ بعض مرتبہ ارتداد تک کی نوبت آجاتی ہے۔ (العیاذ باللہ!)

یہ رسم یقیناً فطرتِ انسانی کے لحاظ سے بھی الٹی ہے اور شریعت کے عطا کردہ قانونی مزاج کے اعتبار سے بھی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ''عورت'' کو اس کی صنفی خصوصیات کے لحاظ سے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں اشارہ کیا ہے (۱۴) مطلوب بنایا ہے

اور مرد کو طالب۔ یہی وجہ ہے کہ مرد پر بوقتِ نکاح مہر لازم کیا ہے، عورت پر نہیں (۱۵) (بلکہ وہ تو مہر پانے کی مستحق قرار دی گئی ہے) اس لیے یہ قبیح رسم کم سے کم مسلمانوں میں کچھ عرصہ پہلے تک عام نہیں تھی (کچھ محدود علاقوں اور برادریوں کو چھوڑ کر) بلکہ اس کے برخلاف لڑکے سے رقم لینے کا رواج تھا، جس کا ایک اہم ثبوت مذکورہ بالا فقہی نصوص اور فتاویٰ ہیں اور غالباً (۱۹۸۶ء میں کتاب لکھنے کے وقت: مرتب) پچاس برس، یا اس سے زیادہ عمر کے لوگ ابھی اس بات کو بھولے نہ ہوں گے کہ لڑکے کی شادی ہندوستان کے اکثر خطوں میں، ایک مسئلہ (problem) ہوتی تھی، لڑکی کی نہیں۔ (اسی لیے مذکورہ بالا فتاویٰ میں لڑکی یا اس کے اولیاء سے رقم کا مطالبہ کرنے کی بابت کوئی فتویٰ بمشکل ہی ملتا ہے۔ بتانے کی ضرورت نہیں، علماء کے فتاویٰ زمانہ کے رجحان ورفتار کا سچا آئینہ ہوتے ہیں۔)

لیکن اب ہندوستان کے مسلمان بالخصوص حیدرآباد، بہار، یوپی وغیرہ کے لوگ اس رسم بلکہ وبا میں اس طرح گرفتار ہیں کہ اس سے نجات اور چھٹکارے کی کوئی راہ نظر نہیں آرہی ہے اور اس کی وجہ سے ہول ناک مشکلات میں مبتلا اور خطرناک اندیشوں سے دوچار ہیں، اس لیے علماء ومصلحین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی سی پوری کوشش اس قبیح رسم کو اکھاڑ پھینکنے کی کریں، جو فطرتِ انسانی کے لحاظ سے بھی نامعقول ہے اور شرعی اصول سے بھی نہایت ناپسندیدہ ومکروہ ہے۔ اس کی شرعی حیثیت جاننے کے لیے تو تنہا وہی فقہی نصوص وفتاویٰ کافی ہیں جو اوپر ذکر میں آئے، کیوں کہ اصل صورتِ مسئلہ یہاں بھی وہی ہے جو وہاں ہے، اس فرق کے ساتھ کہ وہاں ''ناکح'' سے رقم طلب کی جاتی تھی، جس کے کسی درجہ میں جواز کی بظاہر گنجائش نظر آتی تھی، اور شاید اسی لیے قدیم فقہاء نے جس صراحت وتاکید سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے، اتنی قوت سے اس کی معکوس صورت کا نہیں کیا کہ جس سے ہم آج کل دوچار ہیں، یعنی منکوحہ یا اس کے والدین سے رقم کا مطالبہ کرنا۔ کیوں کہ اس کا بھی حکم ان ہی نصوص وفتاویٰ سے نسبتاً بآسانی معلوم ہوسکتا ہے۔ یعنی جب لڑکے سے مطالبہ کرنا حرام ہے تو لڑکی سے مطالبہ کرنا بطریقِ اولیٰ حرام ہوگا۔ ایسے مطالبہ کی بنیاد پر ملنے والی رقم شرعاً ''رشوت'' ہوگی جس کا لینا اور اس کے لیے واسطہ بننا سب حرام ہے، اور از روئے حدیث ایسے سب لوگ ملعون ہوتے ہیں (۱۶)، اس لیے اس کا واپس کرنا شرعاً واجب ہے، جیسا کہ ''قنیہ'' کے حوالہ سے علامہ شامی نے نقل کیا ہے: **وفی القنیة الرشوة یجب ردّها ولا تملك** (۱۷) ''(فقہ کی معتبر کتاب) قنیہ میں ہے کہ رشوت کا

واپس کرنا ضروری ہے (کیوں کہ) لینے والا مالک نہیں بنتا۔''(۱۸)

رشوۃ کے معنی اس سے پہلے ''مجمع البحار'' کے حوالہ سے گزر چکے ہیں: حیلہ بازی سے کام نکالنے کے لیے مال کو ذریعہ بنانا (وصلة الى الحاجة بالمصانعة) نقد رقم کی طرح سامان کی فرمائش بھی اسی حکم میں آتی ہے' یعنی ''جہیز'' مانگنے کا بھی شرعی حکم یہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ لڑکے (یا اس کے اولیاء) کی جانب سے' لڑکی (یا اس کے اولیاء) سے بوقتِ نکاح (یا نکاح سے پہلے) اس طرح کا جو بھی مطالبہ ہوگا' وہ شرعاً غلط اور ناجائز ہوگا اور اس مطالبہ کے نتیجے میں جو کچھ لڑکی (یا اس کے اولیاء) کی طرف سے لڑکے یا اس کے عزیزوں کو دیا جائے گا وہ مال حرام (رشوۃ) ہوگا۔ اگر اس کا نام ''ہبہ'' رکھ لیا جائے تو فقہی اصطلاح میں یہ ہبہ باطل ہوگا (اس لیے اس مال کا استعمال بھی لینے والے کے لیے حرام ہوگا)۔ اس مسئلہ کے لیے اگرچہ مزید حوالوں اور فقہی نظائر کی ضرورت مذکورہ بالا تفصیلات کے بعد نہیں معلوم ہوتی' لیکن توضیح مزید کے لیے چند حوالے اور ذکر کیے جاتے ہیں (جو صراحۃً ''لڑکی'' سے مطالبہ کے بارے میں ہیں)۔ مثلاً حنفی فقہ کی معتبر ترین کتاب فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

امرأة طلقها زوجها فأرادت أن يتزوجها الزّوج' فقال الزّوج: لا اتزوّجك حتى تهبيني مالك عليّ من المهر، فوهبت مهرها على أن يتزوجها، قال ابو القاسم الصفادر رحمه الله تعالىٰ الهبة باطلة، وفي الشرط أولم يف لانها جعلت المال عوضًا للزّوج على نكاحها، وفي النكاح لا يكون العوض الى الامرأة(۱۹)

''ایک شخص نے اپنی بیوی کو (ایک یا دو) طلاق دی' پھر دوبارہ اُسی عورت نے اس طلاق دینے والے شخص سے نکاح کرنا چاہا تو اس نے یہ شرط لگائی کہ تم پہلے نکاح سے واجب ہونے والا مہر جب تک نہ دوگی (یا ساقط نہ کروگی) تب تک نکاح نہ کروں گا۔ اس مسئلہ کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ عورت مہر دے دے گی' تب بھی اس کا دینا صحیح نہ ہوگا اور شرعاً یہ ہبہ باطل ہوگا' خواہ وہ وعدہ پورا کرے یا نہ کرے' کیوں کہ اس شکل میں عورت پر نکاح کا مالی عوض دینا لازم آتا ہے' حالاں کہ شریعت نے عورت پر نکاح کا کوئی مالی عوض عائد نہیں کیا ہے۔''

اس مسئلہ میں خاص طور پر یہ امر قابلِ غور ہے کہ ہونے والا شوہر یا نکاح کا امیدوار یعنی خاطب مخطوبہ عورت سے الگ کوئی مالی مطالبہ نہیں کر رہا ہے' بلکہ اس شوہر پر سابق نکاح کی وجہ

سے جو حق اس مخطوبہ کا واجب تھا' وہ اس عورت سے صرف اس کے ساقط کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے یا اپنی دی ہوئی رقم یا مال واپس لینا چاہتا ہے' اسے بھی فقیہہ مذکور جائز نہیں کہتے۔ لیکن اگر نقد یا سامان کا شوہر کی جانب سے مستقل مطالبہ ہو تو مسئلہ کی سنگینی اور اس کی حرمت میں شدت کتنی بڑھ جائے گی' اس کا اندازہ کسی صاحبِ علم کے لیے مشکل نہیں۔ مزید قابلِ توجہ بات اس مسئلہ کی وہ دلیل ہے جس کی بنیاد پر یہ حکمِ شرعی اخذ کیا گیا ہے' یعنی عورت کی طرف سے نکاح کا عوض دیا جانا' جب کہ شریعت نے عورت پر نکاح کا کوئی مالی بدل نہیں مقرر کیا ہے بلکہ مرد پر کیا ہے۔ اس اصول و دلیل کو سامنے رکھ کر اس صورت حال کا حکم' جو یہاں زیر بحث ہے اور جس سے ہندوستانی مسلمان آج کل دوچار ہیں بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ صورت قطعاً غیر شرعی ہے اور ایسے مطالبے کے نتیجے میں زوج کو زوجہ کی طرف سے جو کچھ دیا جائے گا' وہ شرعاً درست نہ ہوگا' اور ہبہ باطل ہوگا' جس کے نتیجہ میں حاصل شدہ مال حرام ہوگا۔ اسی طرح ایک اور جزئیہ فتاویٰ عالم گیری میں بطور قانونِ شرعی ذکر کیا گیا ہے (اہلِ علم جانتے ہی ہیں کہ فتاویٰ عالم گیری کو ممتاز ترین علماء کی ایک جماعت نے' اورنگ زیب عالم گیر رحمہ اللہ کی ہدایت و نگرانی میں اسی لیے مرتّب و مدوّن کیا تھا کہ وہ قوانینِ شریعت کا معتبر مجموعہ' یا دستور اسلامی برائے مملکتِ ہندوستان قرار پائے۔ چنانچہ اس میں فقہاء کے مختلف اقوال میں سے قولِ مختار کے اخذ و انتخاب کا التزام کیا گیا ہے) وہ جزئیہ عالم گیری میں اس طرح ہے:

رجل قال لمطلقة لا أتزوّجك مالم تهبني مالك عليّ من المهر، فوهبت مهرها على أن يتزوجها، ثم أبىٰ أن يتزوجها، فالمهر باق على الزوج تزوج أولم يتزوج(۲۰)

ایسی ہی عبارت اور اس کا ترجمہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ اُس میں اور اِس میں صرف معمولی فرق ہے' جو اصل مسئلہ پر اثر انداز نہیں ہوتا' البتہ یہاں اصل مسئلہ یعنی ہبہ باطل ہونے کی وہ حکمت و علت بیان نہیں کی گئی جو اوپر ''فتاویٰ قاضی خاں'' کی عبارت میں مذکور ہوئی (آگے مزید وضاحت آرہی ہے)۔

فتاویٰ قاضی خان کی عبارت کی تشریح کے بعد اس کی وضاحت چنداں ضروری نہیں رہ جاتی' کیوں کہ اس میں بھی تقریباً وہی مسئلہ بیان کیا گیا ہے' جزوی فرق کے ساتھ' البتہ یہاں اس حکم کی علت ذکر نہیں کی گئی ہے' وہاں ذکر کر دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں مشہور اندلسی مغربی وسیع

النظر عالم ابن حزم الظاہری (ف ۴۵۶ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''المُحلّٰی'' میں واضح طور پر شرعی حکم یہ بتایا ہے کہ عورت کو جہیز دینے پر مجبور کرنا قطعاً جائز نہیں ہے' نہ مہر کی رقم سے اور نہ کسی دوسرے مال سے۔ اصل عبارت یہ ہے:

لایجوز أن تجبر المرأة علی أن تتجهز الیه بشئ اصلا، لا من صداقها و لا من غیره من سائر مالها، و الصداق کله لها، تفعل کله ما شاء ت(۲۱)

''عورت کو کچھ جہیز دینے پر مجبور کرنا قطعاً جائز نہیں' نہ مہر کی رقم سے اور نہ اس کے کسی دوسرے مال سے' پورا مہر اسی کا ہے اور اسے اس پر پورا حق ہے' جو چاہے کرے۔''

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یہ صورتِ حال کہ عورت یعنی مخطوبہ سے رقم یا سامان کا مطالبہ ہو' کم سے کم مسلمانوں میں 'نئی ہے' جو غالباً برادرانِ وطن سے ایسی ہی دیگر بہت سی خطرناک رسموں میں سے ایک رسم کے طور پر لے لی گئی ہے' اور غالباً اس کی بنیادی وجہ بھی وہی ہے جو اُن کے یہاں ہے' یعنی لڑکیوں کو وراثت میں حصہ نہ دینا' جو بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی رواج پا گیا ہے' حالاں کہ دیگر شرعی ورثہ کی طرح لڑکیوں کو بھی ان کے شرعی حصہ کے مطابق وراثت دینا ضروری ہے' کیوں کہ قرآن مجید میں (۲۲) اسے ''فریضہ'' قرار دیا گیا ہے' مگر افسوس کہ اس ''فریضہ'' کا ترک عام طور پر ہو رہا ہے' جس کی ایک نقد سزا مسلمانوں کو' بعید نہیں کہ' جہیز اور تِلک کے عذاب کی شکل میں مل رہی ہو۔ یہاں یہ ذکر کرنا شاید مناسب نہ ہوگا' چوں کہ مسلمانوں میں یہ نیا رواج ہے اس لیے ہمارے فقہی فتاویٰ کے اکثر مآخذ اس مسئلہ کی بابت ''عام طور'' پر خاموش ہیں' لیکن تلاشِ بسیار کے بعد بہر حال کچھ نظائر مل ہی جاتے ہیں' جن میں سے تین کا حوالہ قدیم ذخیرہ سے ہی نکال کر اوپر پیش کیا جا چکا ہے۔ ماضی قریب کے ایک ممتاز فقیہہ اور مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیو بند کے سابق مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے مجموعۂ فتاویٰ سے ایک سوال و جواب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

(سوال نمبر ۳۷۰): ایک شخص نے نکاح کی تجویز کی' بعد کو معلوم ہوا کہ لڑکی چھوٹی ہے' پھر اس لڑکی کے عوض دوسری لڑکی تجویز کی' اور لڑکی کے ہمراہ دوسو روپے دیے۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ یعنی لڑکی بھی دی اور دوسو روپے بھی۔ اس سوال کا جواب مفتی صاحبؒ موصوف یہ لکھتے ہیں:

الجواب: اگر دوسری لڑکی کے اولیاء راضی ہیں تو نکاح درست ہے اور دوسو روپے لینا حرام ہے کیوں کہ یہ رشوت ہے' اس کو واپس کرنا چاہیے۔ (۲۳)

جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ صورتِ مسئلہ یہی رہی ہوگی کہ دوسری بڑی لڑکی سے شادی کرنے پر لڑکا یا اس کے اولیاء اسی شرط پر راضی ہوئے ہوں گے کہ لڑکی یا اس کے اولیاء دوسو روپے یا معتد بہ رقم دیں' اسی لیے یہ رقم دی گئی' یا پھر کم سے کم یہ بات تو ضرور ہے کہ مفتی صاحبؒ اس سوال کا مطلب یہی سمجھے تھے۔ اس طرح بہر حال یہ تو ثابت ہو ہی جاتا ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے نزدیک اس صورت کا حکمِ شرعی یہی ہے' ورنہ بخوشی اور بغیر طلب کے اپنی لڑکی یا کسی کو بھی کچھ دینا نہ رشوت ہے نہ حرام' اس لیے اس کا واپس کرنا بھی ضروری نہیں۔ لیکن یہاں یہ وضاحت بھی شاید غیر ضروری نہ ہوگی کہ مطالبہ جس طرح صراحۃً ہوتا ہے' اسی طرح دلالۃً اشاروں کنایوں میں' یا رواج کے طور پر بھی ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں' یعنی غیر صریح مطالبہ کی صورت میں بھی' شریعت کا حکم مطالبہ والی شکل کا سا ہوگا' یعنی ایسا مال لینا شرعاً ناجائز ہوگا' رشوت ہونے کی بنیاد پر (۲۴)' لیکن اگر صریح مطالبہ نہ ہو تو ممانعت کا حکم تب لگے گا جب غالب گمان یہ ہو کہ جہیز یا نقد کی فلاں مقدار اگر نہ دی جائے گی تو یہ رشتہ منظور نہیں کیا جائے گا (۲۵) یا رشتہ ہو جانے پر انقطاعِ تعلق یا شدید ایذا رسانی وغیرہ کی شکل پیدا ہونے کا خطرہ ہوگا۔ لیکن اگر کسی طرف سے کوئی مطالبہ صاف الفاظ یا اشاروں کنایوں میں بھی نہ ہو تو پھر کچھ لینا دینا بالکل جائز ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ اس کا مقصد نام و نمود یا اسی جیسی اور کوئی فاسد غرض نہ ہو' اور بخوشی اور بآسانی مہیا کر کے دیا لیا گیا ہو۔ (۲۶)

مگر جہیز چاہے ان سب شرطوں کو ملحوظ رکھ کر دیا گیا ہو' جن کا ذکر اوپر آیا' پھر بھی اس نام سے ایسا لین دین جس کا مدت سے رواج چل رہا ہے' اسے سنت سمجھنا محلِ نظر ہے' کیوں کہ اوّل تو رواجی جہیز میں عموماً یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ہونے والے داماد کو اس سامان کی ضرورت ہے بھی یا نہیں؟ بلکہ وہ اگرچہ بے حد خوش حال ہو اور اس کا گھر سامان سے بھرا ہو تب بھی جہیز دیا جاتا ہے' حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کا چار بیٹیوں میں سے صرف ایک بیٹی حضرت فاطمہ ؓ کو جہیز دینا اس غرض سے تھا کہ حضرت علی ؓ کی مستقل علاحدہ سکونت کا انتظام نہ تھا' تو ظاہر ہے کہ گھریلو سامان کی موجودگی کا بھی کوئی سوال نہیں تھا' علاوہ ازیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سرپرست بھی آں حضرت ﷺ ہی تھے۔ (۲۷) اگر جہیز کے طور پر آپ ﷺ سامان نہ دیتے تو بھی بظاہر اس کا نظم آپ ﷺ ہی کو کرنا پڑتا۔ ان سب سے بڑھ کر جہیز کے موجودہ طریقہ کے سنت نہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ گھریلو سامان جو حضرت فاطمہ ؓ کو آپ ﷺ نے بوقتِ رخصتی (یا اس کے بعد) دیا تھا' جسے عوام جہیز دینا کہتے ہیں' وہ خود حضرت علی ؓ کی

طرف سے فراہم کردہ رقم سے خرید کر دیا تھا' جس کی صراحت اہلِ سِیَر نے کی ہے' مثلاً زرقانی (شرح مواہب) میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہ زرہ فروخت کرنے کا حکم دیا جو انہوں نے بطورِ مہر (معجّل) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دی تھی۔ اس کے بعد کا واقعہ زرقانی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فبعتُها من عثمان بن عفان بأربعة وثمانين درهما، ثم ان عثمان ردّ الدّرع الى علی فجاء بالذرع والدّراهم الى المصطفیٰ ﷺ فدعا عثمان رضی اللّٰه عنه دعوات كثيرة ، فجئته بها فوضعتها فی حجری فقبض منها قبضة فقال ((ای بلال ابتع بها لنا طيبا)) وفی رواية ابن ابی خثيمة:عن علی رضی اللّٰه عنه أن يجعل ثلث فی الطيب، ووقع عند ابن مسعود وابی يعلی بسند ضعيف عن علی فقال:((اجعلوا ثلثين فی الطيب وثلثا فی الثياب)) وامرهم ان يجهزوها فجعل لها سرير مشروط ای مجعول فيه شرائط ای حبال ووسادة من أدم حشوها ليف۔ الخ(۲۸)

''تو میں نے وہ زرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چار سو اسّی درہم میں فروخت کر دی۔ مگر اس ساری رقم کے ساتھ زرہ بھی حضرت عثمانؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دی جس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو بہت زیادہ دعائیں دیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: میں وہ سب رقم لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا: ''اس رقم کے ایک حصہ سے خوشبو خرید لاؤ..... (ان ہی سے یا کسی اور سے فرمایا) اور ایک حصہ سے کپڑے وغیرہ'' اور فرمایا: ''اس سے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے جہیز کا سامان کر دو''۔ چناں چہ ایک خاص قسم کا عربی بستر اور چمڑے کا تکیہ وغیرہ تیار کروایا گیا۔''

علاوہ ازیں ہندوستان کے مشہور و مستند اور وسیع النظر صاحبِ درس عالم مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی اپنی مقبولِ عام کی کتاب ''تواریخ حبیب الٰہ'' کی چوتھی جلد میں لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سب دراہم زرہ کی قیمت حضور کی خدمت میں لائے۔ آپ ﷺ نے ایک مٹھی بلالؓ کو دی کہ ان درہموں کی خوشبو فاطمہؓ کے لیے لے آؤ' اور باقی آپ ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ کو دے کر فرمایا کہ اس سے خانہ داری کا سامان بی بی فاطمہؓ کا کر دو''۔(۲۹)

غالباً اسی سے ماخوذ وہ رواج ہے جو ''اعاجم'' ..... یعنی غیر عرب باشندوں میں 'دستیمان' یا 'دستفیمان' کے نام سے غالباً بعض عرب ملکوں کے اندر کم سے کم علامہ شامیؒ کے دَور تک جاری رہا' اور کیا بعید ہے کہ اب تک رائج ہو۔ جس کا مطلب ان فقہاء نے یہ بتایا ہے کہ خاطب (لڑکا) مخطوبہ (منگیتر) یا اس کے اولیاء کے پاس مہر کے علاوہ ایک معقول رقم اس غرض سے بھیجتا تھا کہ اس سے مخطوبہ کے جہیز کا سامان خریدا جائے' پھر اسے..... نکاح کے بعد..... خاطب (شوہر) کے گھر بھیج دیا جائے۔ ایسی صورت میں شوہر کو..... شرعاً..... یہ حق پہنچتا تھا کہ ''جہیز'' نہ لانے کی صورت میں وہ اس منکوحہ کے اولیاء سے..... دستیمان کے بقدر..... جہیز کا مطالبہ کر سکے' کیوں کہ علامہ شامیؒ کے الفاظ میں وہ دراصل ''ہبہ بشرط العوض'' ہے' یعنی دستیمان کے عنوان سے جو رقم مخطوبہ (یا اس کے اولیاء) کو بھیجی تھی' وہ اسی کام کے لیے بھیجی تھی' گویا اس رقم سے سامان خریدنے کے لیے ایک طرح کے وکیل کی سی حیثیت ان کی ہوتی تھی۔ اس مسئلہ کی سب سے زیادہ تفصیل ''قنیہ'' اور ''البحر الرائق'' میں ملتی ہے' وہاں سے لے کر صاحبِ ''دُرّ مختار'' اور اس کے شارح علامہ ابنِ عابدین نے اپنی اپنی کتابوں میں کچھ تنقیح اور تجزیہ کے بعد جگہ دی ہے۔(۳۰)

حاصل کلام یہ ہے کہ شوہر کی بھیجی یا دی ہوئی رقم سے گھریلو سامان خرید کر لڑکی کے ساتھ بھیجنا بھی ''جہاز'' کہلاتا تھا' لیکن کہاں یہ اور کہاں وہ؟ جس کا رواج آج کل ہندوستان جیسے ملکوں کے مسلمانوں میں پڑ گیا ہے! عرض کرنے کا حاصل یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور اس قسم کے جزئیات سے موجودہ جہیز کی جو شکل ہے اس بارے میں استدلال کرنا' کسی طرح درست نہیں (اس کی تفصیل دلائل کے ساتھ اوپر گزر چکی ہے۔ مزید تفصیل کی' یا گذشتہ بحث کے اعادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی)۔

فرمائشی جہیز سے بھی بڑھ کر قبیح اور شنیع بلکہ شرم ناک وہ رسم ہے' جو ''تِلَک'' کے نام (یا دوسرے ناموں) سے بعض جگہ رائج ہے' جس میں واقعتاً شوہر خریدا جاتا ہے۔ یہ رسم تو ایسی حیا سوز بلکہ انسانیت سوز ہے کہ اس کی مذمت کے لیے الفاظ ملنا مشکل ہیں' مگر یہ رسم ہے کہ آکاس بیل کی طرح پھیلتی اور بڑھتی جا رہی ہے۔ اس لیے علمائے امت اور مصلحین کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ انہیں چاہیے کہ اس کے خاتمہ اور بیخ کنی کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں' ورنہ آیت ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾(۳۱) سے

جو وعید سامنے آتی ہے‘ اس کا تصور ہی باخبر کو لرزہ براندام کرنے کے لیے کافی ہونا چاہیے۔

اس قبیح رسم کی طرف سے غفلت برتنا یا اس بارے میں چشم پوشی سے کام لینا‘ جس کی مذمت کے لیے صحیح الفاظ بھی ملنا مشکل ہیں‘ اب کسی طرح مصلحین وعلماء کے لیے گوارا بلکہ جائز نہیں معلوم ہوتا‘ کیوں کہ اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے کہ ہر جگہ ہزاروں جوان لڑکیاں‘ خاص طور پر پڑھی لکھی لڑکیاں بن بیاہی بیٹھی ہیں‘ جن میں سے بعض خودکشی تک کر لیتی ہیں‘ اور جیسا اوپر ذکر ہوا‘ مرتد بھی ہو جاتی ہیں۔ اگر اس طرف فوری توجہ نہیں کی گئی تو اس طرح کے واقعات اور بڑھ جائیں گے‘ جن کی ذمہ داری سے مسلمان‘ خاص طور سے بااثر لوگ اور اہلِ علم نہیں بچ سکیں گے۔ اس سے بڑھ کر اصلاح کی اور کون سی ضرورت ہوگی؟ علماء اور بااثر لوگوں کے علاوہ باشعور عوام بھی مختلف طریقوں سے اس رسم کی بیخ کنی میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں‘ مثلاً ایسی شادیوں کا مکمل بائیکاٹ کریں جہاں زیادہ جہیز دینے یا ’’تِلَک‘‘ جیسی اور کوئی رسم ہوتے دیکھیں‘ اور پھر جس جگہ لڑکے یا اس کے سرپرستوں کو لڑکی والوں سے مطالبات کرتے دیکھیں یا سنیں تو ان کے خلاف ایسی فضا بنائیں کہ ان کا معاشرہ میں رہنا دشوار اور کسی لڑکی کا ملنا محال ہو جائے۔ اس کے علاوہ اجتماعی مواقع پر‘ خواہ وعظ ونصیحت کے جلسے ہوں یا کسی اور مقصد سے لوگ اکٹھے ہوئے ہوں‘ اس مسئلہ کی شرعی وسماجی حیثیت نمایاں کی جائے‘ اور اس کی حُرمت وقباحت ذہنوں میں بٹھائی جائے‘ اور بتایا جائے کہ اس طرح کے مطالبے کے بعد جو مال بھی ملے گا وہ شرعاً رشوت ہوگا (دلائل اوپر گزر چکے ہیں) جس کا لینا دینا دونوں حرام ہے‘ جس طرح سود لینا دینا حرام ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس طرح کے مال کو ’’سُحت‘‘ کہا ہے۔ ’’ربا‘‘ و ’’سُحت‘‘ (حرام طریقوں سے مال کا استحصال) وہ سنگین جرم ہے‘ جس کی وجہ سے متعدد جگہ قرآن مجید میں یہود کی شدید مذمت کی گئی ہے اور اسے قتلِ انبیاء جیسے جرائم کے ساتھ ذکر کر کے انہیں لعنت اور سخت عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے اور حدیث شریف میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ ، النَّارُ أَوْلٰى بِهٖ))(۳۲)

’’سُحت یعنی حرام مال جس نے استعمال کیا ہو‘ اس کے لیے جہنم کی آگ زیادہ مناسب ہے (یعنی ایسا شخص جہنم کو مطلوب ہے)۔‘‘

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِّيَ بِحَرَامٍ))(۳۳)

’’حرام غذا سے پلا ہوا جسم جنت میں نہیں جا سکے گا۔‘‘

اور جب تک بھی وہ حرام شے استعمال کرے گا‘ گنہگار رہے گا۔ کیا کسی مسلمان کی دینی حِس اس درجہ مُردہ ہو سکتی ہے کہ پوری عمر گناہ اور حرام میں مبتلا رہے۔ یہ بھی بتانا شاید بے محل نہ ہو کہ حرام طریقہ سے حاصل شدہ چیزوں کے استعمال سے نماز اور دعا بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِي ثَوْبِهٖ دِرْهَمٌ مِنْ حَرَامٍ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ لَهٗ صَلَاةً مَا دَامَ عَلَيْهِ))

’’اگر کسی نے کوئی کپڑا (مثلاً) دس درہم میں خریدا اور اس میں ایک درہم بھی حرام مال ہے تو اس کی اس وقت تک نماز قبول نہ ہوگی جب تک کپڑا جسم پر رہے۔‘‘

((إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا..... ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ: يَا رَبِّ يَا رَبِّ ، وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ ، فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ))

’’بے شک اللہ پاک ہے‘ اس لیے پاک (کمائی کی) چیز ہی قبول فرماتا ہے..... پھر آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر میں ہونے کے باعث خستہ حال ہے‘ اور اللہ تعالیٰ سے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگ رہا ہے‘ مگر حال یہ ہے کہ اس کے کھانے پینے کا سامان اور لباس حرام (کمائی کا) ہے‘ اور اس نے حرام غذا سے پرورش پائی ہے۔ تو ایسے شخص کی دعا کیوں کر قبول ہو!‘‘

کیا کوئی ایسا شخص جسے آخرت پر کامل یقین ہو‘ وہ تمام عمر کی نمازیں برباد کرنے اور خداوندِ تعالیٰ کے یہاں مسلسل گناہ میں مبتلا رہنے کی حالت میں پیش ہونا گوارا کر سکتا ہے؟ اگر نہیں‘ تو پھر ایسے تلک اور فرمائشی جہیز جیسے مال کے لینے سے اسے اس طرح بچنا چاہیے جس طرح سانپ‘ بچھو اور دوسرے زہریلے اور خطرناک جانوروں سے بچا جاتا ہے‘ بلکہ اس سے بھی زیادہ اہتمام ہونا چاہیے۔ کیوں کہ زہریلے جانوروں کے اثرات زیادہ سے زیادہ اس دنیا تک محدود رہتے ہیں‘ جبکہ حرام مال کے خطرناک اثراتِ بد اُس عالَم تک برقرار رہیں گے۔ **أعاذنا اللّٰهُ من شُرورِ أنفسنا ومن سيّئات أعمالنا!**

یہاں ایک اور حدیث کا بیان کرنا شاید بے محل نہ ہوگا‘ جس میں فرمایا گیا ہے کہ اس طرح

یعنی غیر شرعی طریقہ سے حاصل شدہ مال میں برکت بھی نہیں ہوتی' جلد فنا ہو جاتا ہے' بلکہ اکثر اپنے ساتھ بہت سے دنیاوی مصائب اور تکالیف بھی لاتا ہے' اور ایسا شخص اگر صدقہ کرتا ہے (جو عموماً مصیبتوں کے ٹالنے کا سبب بنتا ہے) تو اس کا صدقہ بھی قبول نہیں ہوتا (اور مصیبتیں نہیں ٹلتیں بلکہ برقرار رہتی ہیں) اور اس کا بھی خطرہ ہے کہ ایسے مال کے استعمال کرنے سے جو اولاد ہو وہ نافرمان اور نالائق ہو' اور اگر ایسا مال مرنے کے بعد تک باقی رہتا ہے تو وہ اپنے پیچھے نہایت خطرناک اثر چھوڑتا ہے۔ اصل حدیث اس طرح ہے:

((لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالًا مِنْ حَرَامٍ فَيُنْفِقَ مِنْهُ فَيُبَارَكَ لَهُ فِيهِ ، وَلَا يَتَصَدَّقُ بِهِ فَيُقْبَلَ مِنْهُ ، وَلَا يَتْرُكُ خَلْفَ ظَهْرِهِ ، إِلَّا كَانَ زَادَهُ إِلَى النَّارِ))

اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیے کہ وہ اپنی مرضیات پر چلائے اور ہر اُس برائی سے بچائے جس کا نتیجہ دنیا و آخرت میں خرابی اور خدا کی ناراضی کی صورت میں نکلے۔

ربّنا تقبّل منا انّك انت السّميع العليم○

حواشی وحوالہ جات

(۱) پورا جسم زخموں سے بھرا ہوا ہے تو کہاں کہاں مرہم رکھا جائے؟

(۲) شعب الايمان للبيهقى، كتاب الجهاد، اقتصاد فى النفقة وتحريم.....

(۳) اس کی تفصیل' پھر پابندی نہ لگانے کی وجہ کے لیے دیکھئے: مرقاة ، شرح مشكاة ، طبع قديم، ج۳' ص۴۴۷۔

(۴) البحر الرائق، الطبعة الاولى بالمطبعة العلمية، ج۳، ص ۲۰۰۔

(۵) ردّ المحتار، كِتَابُ الْحَظْرِ وَالْإِبَاحَةِ، ص۹۹۔

(۶) ردّ المُحتار، كِتَابُ الْحَظْرِ وَالْإِبَاحَةِ، ص۹۹۔

(۷) التفاوىٰ الهندية ، كتاب الهبة، باب الحادى عشرفى المتفرقات۔

(۸)،(۹) یہ سب حوالے مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے ایک فتویٰ سے ماخوذ ہیں' جس کا تفصیلی تذکرہ ابھی آگے آرہا ہے۔ رشوۃ کے معنی مجمع البحار (ص۳۲۹ ج۲) میں یہ لکھے ہیں:

الرشوة بالكسر والضم وصلة الى الحاجة بالمصانعة۔

(۱۰) مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ ج۲' ص۴۷ (مطبوعہ مطبع یوسفی واقع لکھنؤ باہتمام محمد یوسف فرنگی محلی بماہ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ)

(۱۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص۱۹۳ (جلد سوم و چہارم' شائع کردہ کتب خانہ امدادیہ' دیوبند)

(۱۲) امداد الفتاویٰ ص۳۵۷' ۳۵۸' ج۲۔ ادارہ اشرف العلوم کراچی۔ ۱۳۷۰ھ

(۱۳) مجموعۂ فتاویٰ دارالعلوم ج۳،۴' ص۲۰۵۔ شائع کردہ کتب خانہ امدادیہ دیوبند۔ حضرت مفتی کفایت اللہؒ کے بھی کئی فتوے کفایت المفتی (مثلاً ج۵' ص۱۳۷' ۱۳۹' ۱۴۰) میں ایسے ہی ملتے ہیں۔

(۱۴) دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ ج۱، ص۴۱۔ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۵۲ھ (باب تدبیر المنزل)

(۱۵) قرآن مجید کی متعدد آیات..... مثلاً: ان تبتغوا باموالكم ..... فاتوهن أجورهن (النساء: ۲۴) وبما أنفقوا من اموالهم (النساء: ۳۴) اس پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔

(۱۶) ''کشف الخفاء'' میں یہ حدیث نمبر ۲۰۴۸ پر بایں الفاظ مذکور ہے: "لعن اللّٰه الراشى والمرتشى والرائش" رواه احمد بن منبع عن ابن عمر وسنده حسن وفى الباب عن عبد الرحمن بن عوف وعائشة وام سلمة وآخرين، وروى الطبرانى عن ابن مسعود انه قال: "الرشوة فى الحكم كفر وهى فى الناس سحت" ورواه احمد والطبرانى والبزار عن ثوبان بلفظ لعن اللّٰه الراشى والمرتشى والرائش الذى يمشى بينهما۔ موجودہ زمانے کے مشہور عالم حدیث شیخ ناصر الدین البانیؒ نے حاشیۂ مشکوٰۃ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (دیکھئے حاشیہ مشکوٰۃ ج۲' ص۳۳۹' مطبوعہ دمشق)

(۱۷) ردّ المحتار' ج۴' ص۳۰۴' مطبوعہ دیوبند۔

(۱۸) ''قنیہ'' ج۲' ص۳۲۹۔

(۱۹) فتاویٰ قاضی خاں ج۱' ص۳۷۸ (مطبع ایشیاٹک لیتھوگرافک' طامس۔ کلکتہ ۱۸۳۵) (کتاب النکاح' فصل فى النكاح على الشرط)۔ عورت پر مالی عوض عائد نہ ہونے اور نکاح میں (عورت کی طرف سے) مال کا ملنا مقصود نہ ہونے کی بابت دیگر کتب فقہ مثلاً شامی وغیرہ۔

(۲۰) فتاویٰ عالمگیری' ج۱' ص۳۱۷ (طبع ۱۳۱۰ھ)

(۲۱) ''المحلی''، ج۱۱، ص۱۱۹، مکتبۃ الجمہوریۃ العربیۃ، بجوار الازہر۔ مصر ۱۹۷۰ء، ۱۳۹۰ھ (مؤلفہ امام ابن حزم الظاہری متوفی ۴۵۶ھ)

(۲۲) فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ (النساء: ۱۱)

(۲۳) فتاویٰ دارالعلوم مدلّل ومحشیٰ جلد ہفتم ص۲۴۱۔

(۲۴) یعنی مشہور قاعدہ فقہیہ "المعروف كالمشروط" (شامی ج۲، ص۶۵۲) کی بنا پر۔

(۲۵) اس حکم کا ایک ماخذ 'وسیلہ احمدیہ' نامی فقہی کتاب کی یہ عبارت ہے (بناء على عدم رضائه على تقدير عدمه) جو اوپر مجموعۂ فتاویٰ عبدالحیؒ کے حوالے سے تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔

(۲۶) اس طرح کے جہیز دینے کا ذکر قدیم زمانہ سے ملتا ہے، جس کا پتا فقہی کتابوں سے بھی چلتا ہے، مثلاً دیکھئے ''بدائع الصنائع للکاسانی'' ج ۲، ص ۲۴۲۔۳۰۹ (مطبوعہ شرکۃ المطبوعات العلمیہ، مصر۔ ۱۳۲۷ھ) اور جامع المفصولین، ج ۱، ص ۲۶۶ لابن قاضی سماوہ (الطبعۃ الاولیٰ بالمطبعۃ الازہریہ)

(۲۷) جیسا کہ تمام اربابِ سیر نے لکھا ہے، مثلاً مشہور محدّث و مؤرّخ حافظ ابن عبدالبرؒ کی شہرۂ آفاق کتاب الاستیعاب میں ہے: کان ابو طالب ذا عیال کثیر فأخذ رسول اللہ ﷺ علیا فضمه الیه، فلم یزل علیؓ مع رسول اللہ ﷺ حتی زوّجه ابنته فاطمةؓ (الاستیعاب ج ۱، ص ۳۸، مکتبه نهضه، مصر)

(۲۸) زرقانی شرح مواهب ج ۲، ص ۳، ٤ للامام محمد بن عبد الباقی الزرقانی شارح المواهب اللدنیه للعلامة القسطلانی (الطبعة الاولیٰ باالمطبعة الازهریه المصریه ۱۳۲۵هـ)

(۲۹) تواریخ حبیبِ الٰہ از مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی ص ۴۴ (مطبع نظامی کانپور)

(۳۰) بحرالرائق، قنیہ، دُرّ مختار شامی وغیرہ مشہور فقہی کتابوں میں اس کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔ علامہ شامی نے اسے اعاجم کا دستور بتایا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں یہ لفظ ''دست پیاں'' استعمال ہوا ہے، جو فارسی لفظ ہے، دیکھئے عالمگیری ج ۱، ص ۳۲۸۔ ردّ المحتار ج ۲، ص ۳۶۷، ۳۶۸۔ ج ۲، ص ۶۵۲، ۶۵۳۔ قنیہ ص ۸۶، ۸۷۔ بحرالرائق ج ۳، ص ۲۰۰۔ امام مختار بن محمود الزاہدی (ف ۶۵۸ھ) کی مشہور کتاب القنیۃ میں ہے: بعث الی الخطیبة ـ دستفیمان ـ وزفها الاب بلاجهاز فله أن یطالب الأب بقدر المبعوث جهازاً (القنیۃ ج ۱، ص ۸۶ مطبوعہ مطبع مہانندیہ، کلکتہ ۱۲۴۵ھ) غالباً ہندوستان میں 'جہیز' اسی 'جہاز' کی بگڑی ہوئی شکل ہے، بلکہ شکل کے ساتھ یہاں اس کی حقیقت بھی بگاڑ دی گئی ہے۔

(۳۱) آیت کا مفہوم یہ ہے اُس عذاب سے ڈرو جو صرف ان ہی لوگوں پر نہیں آئے گا جو گناہوں میں مبتلا ہوئے (بلکہ ان پر بھی آسکتا ہے جو اگرچہ خود تو گناہوں سے بچے رہے مگر گناہ میں مبتلا لوگوں کی فکر نہیں کی (سورۃ الانفال، آیت ۲۵)

(۳۲) سورۃ النساء: آیت ۱۵۵ تا ۱۶۱، اور سورۃ المائدۃ: آیت ۶۲، ۶۳۔ ❁❁❁

میثاق، حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

مسلم ممالک میں قومی تشخّص کی تلاش میں بھٹکتی نسلیں

پروفیسر تسنیم احمد، پی ایچ ڈی ☆

نبی کریم ﷺ کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپؐ نے انسانیت کو ایک عالم گیر قومیت کا تصور دیا۔ اس کے مقابلے میں شیطان ہمیشہ انسانوں کو مختلف طبقوں اور گروہوں کے درمیان تقسیم کرتا رہا ہے۔ گزشتہ ڈیڑھ صدی میں اسلام دشمن قوتوں نے مسلمانوں کو اُن کے دین سے دور کرنے کی جو کوششیں کی ہیں اور اُن کو مختلف قومیتوں در قومیتوں میں تقسیم کر کے اُن کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے ملت کفر میں گم کرنے کی جو سعی رائیگاں کی ہے، ذیل کی سطور میں قومیت کے نام پر اِن کوششوں کا ایک اجمالی جائزہ لیا گیا ہے، مگر اصل موضوع سے پہلے نبی کریم ﷺ کی برپا کردہ اسلام کی دعوتی مہم سے اسلام کا قومیت کے بارے میں تصور پیش کیا گیا ہے، تاکہ ہمارے سیکولرازم کے عَلَم برداروں کو انکار کی جرأت مشکل سے ہو، شاید کہ بات سمجھ میں آجائے! بات یوں تو سارے عالمِ اسلام کی ہے، لیکن مضمون کے آخر میں قومیت پرستی کے پاکستان میں ماضی اور مستقبل کو ایک مثال کے طور پر لیا گیا ہے۔

اسلام کا تصورِ قومیت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی نبوت کا آغاز محض قریش ہی کو پکارنے سے نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے اطراف میں بسنے والے تمام انسانوں کو ایک الٰہ واحد کے نظریے کی جانب پکارا تھا۔ دوسری جانب نظریہ بھی بہت سادہ، مختصر اور واضح تھا۔ آپ ﷺ کی پکار یہی تھی کہ بندگی اور عبودیت کے لائق اللہ کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ وہ اِلٰہ واحد، ساری کائنات اور تمام انسانوں کا خالق و مالک بھی ہے اور وہ مرنے کے بعد سب کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہے اور محمد عربی بن عبد

☆ tasneem_ahmad2001@yahoo.com

اللہ ﷺ اُس کے بندے اور رسول ہیں۔ یوں اسلام کی ابتدا ہی ایک کثیر القومی یا بین الاقوامی گروہ کے طور پر ہوئی تھی۔ یہ کوئی حادثاتی بات نہیں تھی بلکہ اس نظریے کی سادگی اور بے ساختگی یہی مطالبہ کرتی تھی اور کرتی ہے کہ اُس کو سارے انسانوں کے لیے یکساں ہونا چاہیے۔

نبی کریم ﷺ کی برپا کردہ اسلامی تحریک کے پہلے ہی سال ایمان لانے والوں میں یہ کثیر القومی یا بین الاقوامی رنگ خوب گہرا تھا جسے دیکھ کر تاریخ دان حیران رہ جاتے ہیں۔ یہ زیدؓ بن حارثہ ہیں، اوّلین ایمان لانے والوں میں سے ہیں، جن کی ماں یمنی ہیں، اِن کا قریش سے دور دور کوئی تعلق نہیں۔ یہ صہیبؓ ہیں، اٹلی (روم) سے تعلق رکھنے والے۔ اسی طرح یورپ کی زنیرہؓ ہیں۔ یہ افریقہ کے حبشی النسل بلالؓ ہیں۔ یہ آلِ یاسرؓ ہیں۔ ان کا قریش سے کیا تعلق؟ پھر ذرا بعد میں ایمان لانے والے فارس کے سلمانؓ ہیں جنہوں نے غزوۂ احزاب میں خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا —— رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین —— اِن سب مختلف الاقوام اوّلین ایمان لانے والوں کو دیکھئے اور پھر یہ بھی غور فرمایئے کہ اُس وقت بنیادی گروہ بندی قبائل کی شناخت پر تھی۔ قریش کے درمیان بنو ہاشم، بنو اُمیہ اور بنو مخزوم اپنے اپنے لیے عزت و قیادت میں ایک دوسرے کے حریف تھے، مگر بنو ہاشم کا ابولہب بن عبدالمطلب اسلام کا مخالف ہے۔ اُسے اپنے قبیلے کی خاطر ایمان عزیز نہیں، مگر اُس کا بھائی حمزہ بن عبدالمطلب ؓ جاں نثارانِ اسلام میں سے ہے۔ بنو امیہ کا ابوسفیان دشمنی میں آگے آگے ہے (قبل از اسلام بدر کے بعد فتح مکہ تک) مگر اسی بنو اُمیہ کا عثمان بن عفان ؓ اسلام کا سپاہی بن جاتا ہے اور ابولہب نے اپنے بیٹے سے نبی ﷺ کی جس بیٹی کو طلاق دلوائی ہے اُس سے نکاح کر لیتا ہے۔ پھر یہی عثمانؓ بن عفان اللہ کے لیے زمین کے جغرافیہ میں اپنی جگہ تلاش کرنے والی پہلی ٹیم (ہجرتِ حبشہ اولیٰ) کا میر کارواں بھی ہے۔ اسی طرح جہاں بنو مخزوم کا عمرو بن ہشام دشمنی اور عداوت میں جاہلی تہذیب و تمدن کا سرخیل ابوجہل کا لقب پاتا ہے وہیں دوسری جانب اسی قبیلے بنو مخزوم سے اس کا چچازاد، ارقم بن ابی الارقم ؓ عین کعبے کے سامنے اسلام کی پہلی پناہ گاہ و درس گاہ کے لیے اپنا گھر پیش کر دیتا ہے، جب کعبے کے دروازے اور اُس کا طواف پیروانِ محمد ﷺ کے لیے بند تھے۔

آپ ﷺ کی بعثت کے وقت مکہ اور یثرب اُس وقت جداگانہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی وحدتیں تھیں، دو الگ ملک تھے، اسلام نے انہیں بعد میں ایک سیاسی وحدت یا ملک میں مدغم

کیا تھا۔غور فرمایئے، جس ملک میں نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہوئے اُس کے باسیوں اور سرداروں نے آپؐ کی دعوت کو رد کر دیا، قتل کے درپے ہوئے اور آپ ﷺ اپنا شہر چھوڑ کر دوسرے ملک کی جانب نکل گئے جہاں آپؐ کی پذیرائی اُن لوگوں نے کی جو آپؐ کی قوم سے نہیں بلکہ یمن میں سیل عرم کے متاثرین آبادکارِ یثرب، اوس وخزرج تھے جو خود آپس میں ایک دوسرے کے حریف بھی تھے۔اسلام نے ان کو شیر وشکر بھی کیا اور تاریخ میں لازوال عزت بھی دی۔

جدید پالیٹیکل سائنس قومیتوں کی تعریف کے باب میں ٹھوکر کھاتی ہے، جس کا کہنا ہے کہ ایک قوم وہ لوگ ہیں جو اپنی نسل، زبان، روایات میں ایک نوع کی یکسانیت کے ساتھ مشترکہ معاشی اور معاشرتی مفادات کے تحت آپس میں بندھے ہوں۔قوم ایک تہذیبی اور سیاسی وحدت ہوتی ہے جو اپنی خود مختاری، یکجائی اور مشترکہ مفادات کی حفاظت کرتی ہو یا چاہتی ہو۔مگر ذرا سیّدنا محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی برپا کردہ قوم کو دیکھیے، ان ملکوں کے رہنے والے مختلف النسل اسلامیان میں کوئی مشترکہ تہذیبی وراثت نہیں تھی، اِن کے کوئی مشترک سیاسی یا معاشی مفادات، لسانی علائق اور مشترک ثقافتی ورثے نہیں تھے۔ اِن میں بس ایک مشترک بات تھی جس پر اِن کی قومیت کی تعمیر ہوئی تھی۔وہ یہ تھی کہ یہ سب اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے تھے اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی غلامی کو انہوں نے قبول کیا تھا۔قرآن ان کا دستور تھا، جس کے مطابق وہ سارے عالَم کے انسانوں کی اصلاح کے عَلَم بردار تھے۔

موجودہ جاہلی ''قوم پرستی'' مغرب کی پیداوار ہے۔ جب اٹھارہویں صدی میں اعلیٰ طبقات اور بے کس ومجبور مساکین کے دو طبقات کے درمیان پھنسے ہوئے انسانوں کو ناقابلِ برداشت حالات نے امریکا اور فرانس میں انقلابات پر مائل کیا، کارل مارکس نے اس طبقے کو بعد میں بورژوا یا مڈل کلاس کا نام دیا۔ اِن دونوں انقلابات کے خالقوں نے عوام کی حاکمیت کی بنا ڈالی اور نو آبادیاتی، بادشاہی طرزِ حکومت کے ساتھ حکومت و سیاست میں عیسائیت کی پاپائیت (مذہب) کی مداخلت کو یکسر رد کر دیا۔اس جاہلی قوم پرستی کے خالقوں نے انسانی طبقات کی پہچان اُن کے مشترک سیاسی مفادات، زبانوں اور مشترک تہذیبی اور ثقافتی ورثے کو قرار دیا۔امریکی اور فرانسیسی قوم پرستوں کے نزدیک قوم پرستی سے مراد ایک ایسا نظام تھا جس میں عوام حکومت وریاست کی تعمیر میں براہِ راست حصہ لے سکیں، اور یہ ''عوام'' آفاقی نہیں ہیں بلکہ اِن سے مراد مختلف ممالک میں بسنے والے وہ لوگ ہیں جو مشترکہ معاشی، سیاسی اور معاشرتی

مفادات کے تحت آپس میں بندھے ہوں۔یوں جاہلیت نے انہیں ایک قوم کہا۔قومیت کا یہ تصور اسلام کے تصورِ قومیت کے بالکل منافی تھا اور ہے۔اسلام ساری انسانیت کو دو قوموں میں تقسیم کرتا ہے۔ایک وہ جو اللہ کو، قرآن کو اور محمد ﷺ کو ماننے والی ہے بلا لحاظ اس کے کہ اُن کا کیا ثقافتی ورثہ ہے اور کیا اُن کے سیاسی، لسانی، نسلی اور معاشی علائق ہیں۔دوسری قوم وہ ہے جو الٰہ واحد کے تصور، قرآن اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو ماننے سے انکاری ہے۔

مسلم علاقوں کے عوام میں جاہلی قومی نظریے کا نفوذ

اُنیسویں صدی میں مسلمان حکومتیں، جو ہرگز جوہری اسلامی حکومتیں نہیں تھیں، مگر مسلمان عوام ایک عالم گیر اسلامی معاشرے کا تصور رکھتے تھے، مزید برآں جیسی کچھ بھی تھی خلافت موجود تھی، جاہلی قومی نظریے کا کوئی پرتو مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول نہیں تھا۔اُس دور میں جب مسلمانوں کی حکومتوں نے دم توڑنا شروع کیا تو —— لارڈ میکالے جیسے بہت سارے میکالوں کے ترتیب کردہ نظامِ تعلیم سے نکلنے والے مغرب سے مرعوب اپنی ثقافت، شناخت اور اپنے خزانہ علم سے نابلد، نام نہاد مسلمان طبقے نے ساری مسلم اُمت میں مغرب سے اُبھرنے والے اوپر بیان کردہ قوم پرستی کے فلسفے کو اپنے ہم وطنوں کے لیے بدلتی دنیا کے ماحول میں زیادہ پسند کیا۔اُن کی مغربی ملحدانہ تعلیم وتربیت نے اُنہیں ایسا ہی کرنے اور سوچنے پر مجبور کیا تھا۔یہ مسلمانوں کی اُن گزشتہ نسلوں کی اسلام سے برگشتگی، اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور اُس کی کتاب سے بے وفائی کی سزا تھی جو اُنہیں مغرب کی ذہنی غلامی کی شکل میں ملی! قرآن کے عطا کردہ فلسفے، اسلام کے نظریے اور حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے مقابل ہر چیز جہالت ہے۔ چنانچہ جاہلیت کی ماری مغرب سے مرعوب مسلم قیادت نے مختلف ممالک اور علاقوں میں قومیت کے نام پر جو گل کھلائے اُن کے چند نمونے درجِ ذیل ہیں:

- کمال اتاترک نے خلافت عثمانیہ کے مقابلے میں 'جواں ترک' (Young Turks) تحریک برپا کی جس نے اسلام اور خلافت پر دو حرفِ ملامت بھیج کر اپنے ملک کے لیے اسلام کے مقابلے میں ترک شناخت کو اپنا لیا جس کی بنیاد ترکی زبان اور ثقافتی ورثے پر تھی۔ نتیجتاً ایک ترک قومیت وجود میں آئی جس نے زوال پذیر خلافت سے لگاؤ کو ختم کر دیا، ترک زبان سے محبت عربی سے مخاصمت میں بدلی اور عربی سے عداوت، قرآن پڑھنے پڑھانے سے بے زاری میں تبدیل ہوگئی۔نوبت بہ ایں جا رسید کہ عربی زبان میں اذان بھی ممنوع قرار

پائی۔ اسلام سے نجات کے بدلے میں پس ماندہ مسلم ممالک کے مقابلے جدید یورپ کی قربت میسر آئی اور دشمنانِ اسلام و قرآن نے ترک قوم پرستی کو جدید اور ترقی پسند ہونے کی ایک علامت قرار دیا۔

ضروری ہے کہ یہاں مختصراً ''جدید اور ترقی پسند'' کی اصطلاحات کو واضح کر دیا جائے کہ جاہلیت ہر دور میں وحی الٰہی کے مقابلے میں عقل کو برتر مانتی ہے اور مذہب و وحی کے پیروکار جو وحی کو سیاست سمیت تمام معاملاتِ زندگی میں کارفرما دیکھنا چاہتے ہیں' ہمیشہ جاہلوں کے نزدیک رجعت پسند کہلاتے ہیں اور خود کو وہ بزعم خود ترقی پسند کہتے ہیں۔ اس ترقی پسندی کے ڈانڈے نمرود و فرعون' موہن جو دڑو اور عذاب کی ماری قدیم تہذیبوں سے ملتے ہیں۔ پھر بھی یہ سب تاریخ کے ہر دور میں ''جدید'' رہتے ہیں اور اِن ابوجہلوں کے نزدیک وحی الٰہی کے تابع ہو کر چلنے والے ہر جدید زمانے میں ''رجعت پسند'' اور آثارِ قدیمہ قرار پاتے ہیں —— کیا خوب!!!

● اُنیسویں صدی میں جاہلی قوم پرستی کے مقابلے میں اسلام کے عالم گیر ہونے کا اعلان کرنے والی اور خلافت کی تجدید نو کے لیے کوشاں احیائے اسلام کی عالمی تحریک کو اِن مغرب کے نقال قوم پرستی کے مارے نام نہاد مسلمانوں کے ہاتھوں عوامی مقبولیت میں سخت ہزیمت اُٹھانی پڑی۔ اِن جاہل اور نادانوں نے احیائے اسلام اور خلافت کی اس تحریک کو مسلم بادشاہتوں کو بچانے کی تحریک کا رنگ دے دیا اور اسلامیان اپنی ساری کوششوں کے باوجود اپنی ہی نئی اسلام بے زار نوجوان قیادت کے آگے بازی ہار گئے۔

● مسلم ممالک کے عین قلب خلافت میں جاہلیت کے اس شدید حملے کے ردّعمل میں اسلام کے اوّلین علم بردار ان ممالک عربیہ میں جاہلی قوم پرستی کی ایک دوسری تحریک نے جنم لیا اور اس نے انتقاماً ترک قوم پرستی کے مقابلے میں عرب قوم پرستی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ یہ تحریک اصلاً چونکہ نوآبادیاتی نظام کے خلاف نعروں سے شروع ہوئی تھی اور عوام اس نوآبادیاتی نظام سے چھٹکارا چاہتے بھی تھے' ساتھ ہی اس طعامِ لذیذ میں عرب عصبیت کا تڑکا بھی تھا چنانچہ یہ تحریک جاہل اور نادان عربوں میں خوب مقبول ہوئی۔ مصر' الجیریا' شام اور عراق میں عرب عصبیت کے نعروں نے بڑا زور دکھایا۔ عرب قوم پرستی کے نعروں نے پیدائشی نام نہاد مسلمانوں کو جہل کی آگ میں گرما کر اور ہلا کر رکھ دیا۔ اس قوم پرستی کی تحریک کے قائدوں نے پورے عرب پر اپنی حکومت و قیادت کے لالچ میں مسلم شہنشاہیت کے ساتھ احیائے اسلام کی عالمی تحریک کے

خلاف بھی علم اُٹھا لیا۔ اسلام سارے انبیاء کا دین رہا ہے اور اللہ کی ماننے والی ساری اُمتوں کا نام مسلم رہا ہے' عربوں کی اور مسلم امت کی تاریخ متوازی چلی ہے' عربوں کی ساری عظمت اسلام کی مرہونِ منت رہی ہے اور اس کی ساری ذلت جہالت کا نتیجہ رہی ہے۔ اِس حقیقت کو بھلا کر عرب قوم پرستوں نے تاریخ میں اسلام کے نتیجے میں عربوں کے ایک شاندار کردار کو ترقی پسندی کا مرہونِ منت قرار دے کر عربیت کے بین الاقوامی ہونے پر دلیل بنا دیا۔ اور اسلام جو عربوں کی شان کا اصل موجب تھا' کو بھلا دیا گیا:؎

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

کون نہیں جانتا کہ محمد عربی ﷺ کا ایک ہی نعرہ تھا کہ ایک کلمہ توحید کا اقرار کر لو' اس قرآن کو تسلیم کر لو اور سارے عرب و عجم کے مالک بن جاؤ۔ اس نعرے کے نتیجے میں عربوں کو عزت ملی تھی' یہ بات بھلا دی گئی' نبی ﷺ کا نعرہ بھلا دیا گیا!

غیر منقسم انڈیا میں جاہلی قوم پرستی

ہندوستان میں جاہلی قوم پرستی کے نعرے کو ایک بڑی عجیب اور مشکل صورتِ حال سے سابقہ پیش آیا۔ یہاں زبان' نسل اور ثقافتی ورثے کی بنیاد پر کوئی ایک قوم تشکیل نہیں دی جا سکتی تھی' اس لیے کہ یہاں درجن سے زیادہ قومیں بستی تھیں' بے شمار زبانیں بولی جاتی تھیں اور اسی طرح متعدد ثقافتیں تھیں' اس بنیاد پر یہاں یورپ کی مانند بے شمار چھوٹے چھوٹے قومی ممالک درکار تھے۔ ہندوؤں کے طبقاتی نظام نے خود اُن کے اندر کئی قوموں کو جکڑا ہوا تھا' جو انسانی آزادی کے تصور کے تحت برہمنوں سے نجات چاہتی تھیں۔

ہندوستان میں جو مسلمان ابتداءً یہاں آئے تھے وہ تبلیغ کے جذبے کے ساتھ ایثار و قربانی کا پیکر تھے۔ وہ یہاں اسلام کے پھیلنے کا باعث بنے' مگر جلد ہی حکمرانی کے مزوں میں اور ہندو محکوموں' خاص طور پر نچلی ذاتوں کے اپنے برابر آ جانے کے خوف نے اُن کو اُس طرح اشاعتِ اسلام نہ کرنے دی جس طرح انڈونیشیا یا افریقہ میں داخل ہونے والے مسلمانوں نے اشاعتِ اسلام کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان ایک حد کے بعد مزید آبادی کو مسلمان نہ بنا سکے' یوں انڈیا مسلمان اکثریت کا ملک نہ بن سکا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک طرح کی بقائے باہمی وجود میں آئی جو اسلام کو ہرگز پسند نہ تھی' یہاں تک کہ صوفی ہندوؤں اور

مسلمانوں دونوں کے متفق علیہ اکابر بن گئے اور ہندوؤں کی مشرکانہ رسومات اور طور طریقے بھی مسلمانوں نے قبول کر لیے۔ اس بقائے باہمی کے تحت پانچ سو سال تک ہندو اکثریت مسلم حکمرانوں کے زیرِ نگیں مزے سے زندگی بسر کرتی رہی۔

دنیا بھر کے انسانوں کے اذہان پر مغربی تہذیب کے غلغلے اور دنیا میں سیاسی غلبے کے پیچھے اُن کی فکری کاوشوں، فلسفوں اور مضبوط نظامِ تعلیم کے ساتھ اُن کی سائنسی ایجادات، بارود کی قاہرانہ قوت سے محروم قوموں کو بارود سے کچلنے، اُن کے نظام ہائے تعلیم کو نیست و نابود کرنے اور اُن کی نئی نسل کو اپنے ڈھب پر لانے کے لیے اُن کے نظامِ تعلیم اور تعلیم کی صنعت نے بڑا کام کیا۔ غلام ملکوں میں اپنے فلسفہ و تہذیب کے وفاداروں کی ایک فوج اُن ہی غلاموں کی اولاد سے تیار کر لی تھی۔

انیسویں صدی میں جب نوآبادیاتی نظام اپنا بوریا بستر لپیٹ رہا تھا اور قابض ممالک ہر جگہ اپنے دیسی نمائندے مسلط کر کے رخصت ہونا چاہ رہے تھے، ہندوستان میں مسلم عوام دو گروہوں میں تقسیم تھے۔ پہلا گروہ راسخ العقیدہ مسلمان علماء کا تھا جو بہت کمزور نہ تھے، جو ہندوؤں کی محکومی میں ہرگز نہیں رہنا چاہتے تھے اور ان کی قیادت میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ اس گروہ کے نزدیک اسلام کے عقائد و نظریات کی بنا پر قوم وجود میں آتی ہے۔ دوسرا گروہ عملاً اسلام سے دور مغرب سے مرعوب طبقے کا تھا جس نے جاہلی قوم پرستی کے فلسفے کو قبول کر لیا تھا، لیکن اس کا نفاذ کیوں کر ہو کہ اس فلسفے کے تحت ہندو اور مسلم ایک قوم قرار پاتے تھے۔ مسلم طبقہ جس سے انگریز نے حکومت چھینی تھی، ووٹوں کی گنتی کے اصول پر ہندوستان پر حکمرانی نہیں کر سکتا تھا اور ہندوؤں کی محکومی میں زندگی گزارنا بھی اس کی سرشت میں نہ تھا، خواہ مغربی تعلیم نے اُس کے اندر کے مسلمان کو کتنا ہی کچل نہ دیا ہو۔

ان حالات میں جدید پالیٹیکل سائنسز کے نظریات کے مطابق ایک نیا اور انہونا مسلم قوم پرستی کا فلسفہ وجود میں آیا جس کے تحت مسلمان اپنا مذہب تبدیل کیے بغیر اپنے ماضی اور عقائد سے لاتعلقی کے ساتھ غیر منقسم ہندوستان میں اسلام کے نام پر متحد و متفق ہو کر پہلے برٹش حکمرانی کا مقابلہ کریں اور پھر ایک جمہوری نظام میں ووٹوں کے بل بوتے پر ہندوؤں کی اکثریت کے جبر کا۔ مسلم جاگیرداروں کی پشت پناہی میں ان دانشوروں نے انڈیا میں بسنے والے مسلمانوں کو ایک ایسے گروہ کی شکل میں دیکھا جو اپنے ایمان اور عقیدے کے سہارے نہیں بلکہ محض اپنے

ماضی کی شان اور حکمرانی کی یادوں کے سہارے [1] ایک قوم قرار پاتا ہے اور جس میں یہ جذبہ فراواں پایا جاتا ہے کہ اپنے دین و ایمان اور عقائد کو مولویوں کی ''رجعت پسندی'' سے بچا کر جدید زمانے سے ہم آہنگ کر کے اسلام کے لیبل والے ایک ایسے سیکولر دین میں داخل ہو جائیں جو کبھی عبادت گاہوں اور رسومات سے باہر نہیں نکلتا۔ خاص طور پر حکومت و سیاست میں ہرگز دخل نہیں دیتا۔ اِن ''ناچار مسلمان شو'' دانشوروں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ اس مقصد کے لیے نئی قائم ہونے والی مسلم قومی حکومت کتاب و سنت کی ڈیڑھ ہزار سالہ پرانی تعبیرات کو ''معتدل اور حقیقت پسندانہ'' تعبیر کے ذریعے ازسرِ نو متعین کرے گی۔ مسلمانانِ ہند کی اس قوم پرستی کی تحریک نے احیائے اسلام کی عالمی تحریک (Pan-Islamism) کو کلیتاً نظر انداز کیا۔ کیونکہ اُن کے مغرب زدہ علم و دانش نے اُنہیں یہ باور کرایا کہ برصغیر میں مسلم تمدن کے مطالبات اُن مطالبات و ضروریات سے قطعاً مختلف ہیں جہاں سے اسلام کا آغاز (مکہ اور مدینے سے) ہوا اور جہاں اس کی اولین نشو و نما ہوئی۔

یوں ایک مسلم قومی حکومت کے قیام کے لیے قومیت کے بارے میں کاملاً متضاد نظریات رکھنے والے قائدین کے دو گروہوں نے تمام مسلمانوں کے ووٹوں کو مجتمع رکھتے ہوئے جدید تعلیم یافتہ اور مذہبی طبقے نے مل کر ایک جدوجہد کی اور پاکستان بنا لیا گیا۔ دونوں طبقات کی مسلم حکومت (اور مسلم قوم) کی تعبیرات مختلف تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد آج تک حکمران اور سیاسی جماعتیں متفقہ طور پر یہ طے نہ کر سکیں کہ ہم مسلمان پہلے ہیں یا پہلے پاکستانی!

(۱) This nationalism was intellectually driven by the modern Muslim bourgeoisie and bankrolled by the Muslim landed elite. It saw the Muslims of India as a separate nationalistic entity, united by memories of a once glorious past and an urge to revitalise its shared faith through a more rational, modern, and flexible reading and implementation. Indian Muslim nationalism also largely bypassed Pan-Islamism because it believed that Muslim culture in the region had bearings which were separate from how Islam had evolved elsewhere. (Nadeem F. Paracha, The crisis of Muslim nationalisms, Dawn, Sunday Magazine, June 26th, 2016)

کبھی ضیاء الحق کے دور میں ہم پہلے مسلمان ہو جاتے ہیں اور کبھی پرویز مشرف کے دور میں پہلے پاکستانی۔ اے این پی' ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی پہلے پاکستانی ہونے کو ترجیح دیتی ہے اور جمعیت علمائے اسلام اور جماعت اسلامی پہلے مسلمان ہونے پر اصرار کرتے ہیں' جب کہ نون لیگ اور تحریک انصاف کو شاید خود پتا نہیں کہ اس ملک کے بسنے والا ایک مسلمان پہلے کیا ہے؟ اس صورتِ حال میں بحیثیت مجموعی تمام مسلم ممالک کے اندر نئی نسل بھٹک رہی ہے اور کوئی اُس کو ایک سمت عطا کرنے والا نہیں ہے' تاہم مسلم نوجوانوں میں ایک عنصر ہے جو جان و دل کے ساتھ اسلام پر جینا مرنا چاہتا ہے اور جاہلی قوم پرستی پر ایک نگاہِ غلط انداز بھی نہیں ڈالتا۔

اوپر کی بحث سے یہ بات سامنے آ گئی کہ ترک قوم پرستی ہو' عرب قوم پرستی یا اسلام کے نام پر جاہلی قوم پرستی' تینوں ہی بیسویں صدی کے وسط میں مسلمان قومی حکومتیں تشکیل دینے میں کامیاب ہوگئیں۔ لیکن مغرب سے مرعوب ''ناچار مسلمان شو'' مسلمانوں کی یہ ظاہری کامیابیاں تھیں۔ مسلم قوم سے اُس کے عقائد و نظریات چھین لینا ایک ایسا کام ہے جو صرف اسپین میں یا ایک دو دوسری ریاستوں میں شدید ریاستی جبر کے ذریعے کے علاوہ کہیں ممکن نہیں ہو سکا۔ اور جب تک قرآن کی تلاوت ہوتی رہے گی یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ بیسویں صدی کے نصف آخر کے آغاز کے ساتھ ہی جاہلی قوم پرستی کے مقابلے میں اصل اسلامی قومیت جو رنگ و نسل اور ثقافتی تاریخ سے بالاتر ہو کر ایک اللہ کی بندگی اور قرآن و سنت کی بالادستی تسلیم کرنے والوں کو ایک قوم تسلیم کرتی ہے' مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے اور جاہلی قومی نظریہ مستقل زوال پذیر ہے۔ اس نظریے نے مسلم ممالک میں ناکام معیشتوں اور تباہ کن جنگوں کو جنم دیا' قوم پرستی کی بنیاد پر مجتمع مسلم معاشروں کو طبقات در طبقات میں تقسیم کر دیا۔ مثلاً پاکستان کو پہلے مشرقی پاکستان سے بنگالی قومیت کی بنیاد پر کاٹا۔ سندھی اور بلوچی قومیت اور عصبیت کی مہمات کا عفریت موجود ہے' سرحد سرحد نہیں اب پختونخوا ہے۔ اردو بولنے والے قوم پرست بھی ایک نئے صوبے کا مطالبہ کر رہے ہیں' اور سرائیکی بھی اور ہزارہ کے قوم پرست بھی۔ کیا اہل نظر نہیں جانتے کہ اٹھارہویں ترمیم جب اپنے شباب کے ساتھ نافذ ہو گی تو صوبے عملاً مملکتیں ہوں گی۔ کیا یہ ٹوٹ پھوٹ اور تقسیم در تقسیم مسائل کا حل ہے یا اسلام کا عدلِ اجتماعی؟ لوگ جان گئے کہ جاہلی قوم پرستی ہمارے امراض کا علاج نہیں ہے۔ آزادی کے ساتھ تعلیم کے مواقع اور غور و فکر نے اس دوران مسلم معاشروں میں ایسے زیرک دانشور اور فعال نوجوان پیدا کیے جنہوں نے مسلمانوں کے درمیان جاہلی قوم پرستی کے متبادل کے طور پر

معاشروں کی اس تقسیم کو اعتدال پر لا کر ایک اسلامی اصول پرست (fundamentalist) جدید سرعت پذیر احیائے اسلام کی تحریک میں تبدیل کر دیا ہے۔

قوم پرستوں کی مسلم ممالک اور معاشروں میں شکست فاش

ایک کامل اور مکمل اسلامی انقلاب کے خوف سے مسلم اُمّہ کے دشمنوں نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ کسی طرح حالات میں تموج نہ آئے اور وہ جوں کے توں ہی رہیں اور کہیں بھی حقیقی اسلامی حکومت وجود میں نہ آ جائے۔ مسلم عوام کے سیل رواں کے آگے جاہلی قوم پرست ٹھہر نہ سکے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے عوام کو خاموش اور خوش رکھنے کی خاطر اسلامی تحریکات کے بہت سارے مطالبات کے آگے سپر ڈال دی' یہاں تک کہ نوبت بہ ایں جا رسید کہ مسلم دنیا میں جاہلی قوم پرستی کے جن اصولوں کی بنیاد پر اُنیسویں صدی کے نصف اوّل میں بڑی مہمات چلی تھیں' وہ اب سنائی نہیں دیتی ہیں۔ پاکستان میں اسلامی دستور' حدود آرڈی ننس' قادیانیوں کی حیثیت کا تعین' مصر میں اخوان کی حکومت کا قیام' ترکی میں اتاترک کے قومی تصور کے مقابلے میں اسلام کا احیاء' تمام مسلم ممالک میں احیائے دین کی تحریکات کا جڑیں پکڑ لینا' چاہے کفر یا سیکولرازم گاہے گاہے زور لگا کر اُن کے تنوں یا کونپلوں کو کاٹ دے' جیسا کہ آج کل بنگلہ دیش میں حسینہ واجد صاحبہ یا مصر میں سیسی صاحب کر رہے ہیں' یہ سب عارضی آزمائشیں ہیں۔ حقیقی مسلمانوں کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے راہ گم کردہ افراد کو واپس توحید و رسالت کی بنیاد پر عالم گیر مسلم قومیت کی طرف لائیں اور اُنہیں تکاثر اور دنیا پرستی کی بیماریوں سے بچائیں۔ مسلم قومیت کے اصل فلسفے سے انحراف اور قوم پرستی نے مسلم معاشروں میں بڑے بڑے خلا پیدا کر دیے ہیں۔ یہ خلا پہلے تیزی سے قرآن و سنت کی تعلیمات سے پُر کیے جائیں' یہاں تک کہ ہمارے معاشروں کی صورت گری کرنے والے فیصلہ ساز اداروں میں راسخ العقیدہ مسلم دانشور مناسب جگہ پا لیں۔ پارلیمنٹ معاشرے کی صورت گری کرنے والے بیسیوں بنیادی اداروں میں سے صرف ایک ایسا ادارہ ہے اور یہاں جگہ پانا ووٹوں سے ممکن ہوتا ہے' باقی جگہوں پر اہلیت و قابلیت لوگوں کو اس طرح لے جاتی ہے جس طرح ڈھلان کی طرف پانی خود بخود جاتا ہے۔ کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ہم حسن اخلاق سے آراستہ متقی و پرہیزگار اور تفقہ فی الدین رکھنے والے ایسے رجالِ کار پیدا کریں جو دنیا کے معاملات کو اہلِ دنیا سے زیادہ اچھی طرح چلانا جانتے ہوں۔ دنیا اِن مومنین و صالحین کے قدموں میں خود ڈھیر ہو گی۔

(باقی صفحہ 59 پر)

حاجی عبدالواحد صاحبؒ کی یادداشتیں (۸)

مرتب: پروفیسر حافظ قاسم رضوان

☆

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور اباجی

(گزشتہ سے پیوستہ)

آخر میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے چند فرمودات اور ارشادات پیش خدمت ہیں:

☆ ایک خادم کا بیان ہے کہ جب حضرت کی صحت اچھی تھی تو رمضان المبارک میں عصر کے بعد تنہائی میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ خانقاہ میں مقیم ایک صاحب کو یہ اندازِ تلاوت بہت بھایا اور دل میں اللہ سے دعا کی کہ ایسا اندازِ تلاوت مجھے بھی عطا فرما۔ روزے گزرنے کے بعد حضرتؒ نے انہیں بلایا اور فرمایا کہ آؤ تمہیں (اندازِ تلاوت) بتلائیں۔ قرآن ایسے پڑھا کرو کہ وہ جو قرآن پاک میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے باتیں کرتے اور اس (خاص) شجر سے سنتے تھے۔ اپنے کو وہی شجر تصور کرو۔ اور پھر اپنے میں سے قرآن پاک کے نکلتے ہوئے الفاظ کو یوں سمجھو کہ یہ خدائے پاک فرما رہے ہیں اور کانوں سے اسی انداز میں سنو کہ میں اپنے اللہ کا کلام اللہ ہی کی آواز میں سن رہا ہوں۔ ان صاحب کا کہنا تھا کہ حضرت کے فرمانے سے وہی کیفیت گویا دل میں اتر گئی۔ اور یہ اندازِ قرآن پاک کی تلاوت کے سلسلے کی ترقیوں میں نئے نئے اضافوں کا سبب بنا۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تعلق اور محبت کے حوالے سے حضرت کا ارشاد ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ مسلمان نہیں ہیں تو ہمیں تو کوئی اور مسلمان نظر نہیں آتا۔ نیز اکثر فرماتے کہ صحابہ کرامؓ کی وجہ سے ہم مسلمان ہیں، وہی ہمارے مرشد اور ہادی ہیں۔

☆ اپنے شیخ اور مربّی حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے بارے میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا فرمان ہے کہ میں چودہ سال (بڑے) حضرتؒ کی خدمت میں رہا، اس طویل مدت میں کبھی ایک کلمہ بھی حضرتؒ کی زبانِ مبارک سے نہیں سنا، جس میں اپنی تعریف کی بُو آتی ہو۔ حُبِّ جاہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں اولیاء اللہ کے قلوب سے نکلتی ہے۔ جب سالک صِدّیقین کے مقام تک پہنچتا ہے تب اس سے پیچھا چھوٹتا ہے۔ یہ بات میں نے اپنے حضرتؒ میں خوب اچھی طرح سے دیکھی کہ حُبِّ جاہ کا وہاں سر کٹا ہوا تھا۔

☆ ایک اور موقع کا ارشاد ہے: نیک نیتی سے ملک کی طاقت پیدا کرنے کی جو کوشش کی جائے، سب دین ہی ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾۔ اگر ریاکاری یا نیت فاسد سے نماز بھی پڑھی جائے تو وہ بھی قبول نہیں ہوتی اور رد ہے، اور اگر نیتِ صالح سے پڑھی جائے تو وہ عبادت ہے۔ اسی طرح نیت صالح سے حکومت کی ترقی کا جو بھی کام کیا جائے، سارے کا سارا دین ہی دین ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ''تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود''۔ افراد کے اخلاق کی اصلاح بھی ضروری ہے لیکن ملک کی حفاظت بھی لازم ہے۔

☆ ایک دوسرے موقع پر فرمایا: اسلامی نظام خالی باتوں سے نہیں قائم ہوسکتا، اگر دنیا کے بڑے ملکوں کے دوش بدوش کھڑا ہونا ہے تو ان لوگوں کے علوم وفنون سیکھنے ہوں گے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہم ان کے علوم کو سیکھتے سیکھتے اپنے دین و مذہب کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ جب تک کوئی ملک اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو اس زمانہ میں دین و دنیا کا کوئی کام پورا نہیں کرسکتا۔

☆ ایک مجلس میں حضرت رائے پوریؒ کا سلوک وتربیت اور تصوف وطریقت کے مقصود کے حوالے سے ارشاد ہوا کہ اصل کیفیت یقین کا پیدا ہو جانا ہے۔ کمرے میں اندھیرے میں شیر ہے (جو) نظر نہیں آتا۔ ایک آدمی وہاں ہے، وہ بے خبری میں بے فکر بیٹھا ہے۔ اچانک روشنی ہوئی، شیر اس کو نظر آ گیا، اس پر خوف طاری ہو جائے گا۔ اسی طرح یقین نصیب ہو جانے کے بعد خوفِ خدا آ جاتا ہے اور یہ خوفِ خدا بنیاد ہے تمام اعمالِ حسنہ کے کرنے کی اور اعمالِ بد سے بچنے کی۔

☆ اسی طرح حضرت رائے پوریؒ کے نزدیک استدلالی یقین کا وجدانی اور ذوقی یقین میں تبدیل ہو جانا اصل چیز تھی۔ اس کا نتیجہ پھر یہ ہو جاتا ہے کہ ساری دنیا بھی خدا کی ہستی کا

انکار کرے تو یہ وجدانی یقین والا شخص کبھی بھی انکار نہیں کرتا۔

☆ کسی اور مجلس میں حضرت کا ارشاد ہوتا ہے کہ کسی کونے میں بیٹھ کر کسی کا نام لیا جائے تو مسمّٰی (نام والے) سے محبت ہو جائے گی۔ جب انسان کثرت سے اللہ کا نام لیتا ہے تو اللہ کی محبت ہو جاتی ہے جو کہ نیکیوں کی جڑ ہے۔ اصلاح کا انحصار کثرتِ ذکر اور صحبت پر ہے۔ صحبت ضروری ہے محبت کے ساتھ۔ اگر نبی اکرم ﷺ خود عرب میں نہ آتے بلکہ قرآن شریف لکھا ہوا آ جاتا' تو اس طرح سے اصلاح نہ ہوتی۔ بُعدِ زمانہ کی وجہ سے صحبت کمزور ہو گئی ہے۔ اس کی کمی کو پورا کرنے کے لیے اہل اللہ نے ذکر و اَذکار اور مراقبہ جاری کیا جو کہ بالہام الٰہی اولیاء پر منکشف ہوئے۔

☆ حقیقت تصوف کے بارے میں حضرتؒ کا ایک اور فرمان ہے: خدا معلوم لوگ تصوف کو کیا سمجھتے ہیں۔ تصوف تو بس اخلاص اور عشق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے' اور جو کام عشق کی طاقت اور اخلاص کی برکت سے ہو سکتا ہے' وہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ تو دراصل تصوف لازم نہیں' بلکہ عشق اور اخلاص پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ صحبت و محبتِ شیخ کے بارے میں حضرت رائے پوریؒ کا ایک طویل مگر پُراثر ارشاد پیش خدمت ہے: صحبت کا اثر ایک مسلمہ چیز ہے۔ جس طرح ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصیت رکھی ہے' اسی طرح صحبت اور محبت کا بھی ایک خاصہ ہے۔ صحبت کا اثر تو اتنی بدیہی چیز ہے کہ عام لوگ بھی جانتے ہیں' حتیٰ کہ اپنے بچوں کو کہا کرتے ہیں کہ دیکھو! برے لوگوں کے پاس نہ بیٹھنا۔ اور ہمیشہ اچھے لوگوں کے پاس بیٹھنے کی تلقین کیا کرتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اور محبت کا یہ خاصہ ہے کہ محبوب کے سینے کی چیز محبّ کے سینے میں لے آتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا سینہ نور و معرفت کا گنجینہ تھا۔ صحابہؓ نے آپ کی صحبت' محبت کے ساتھ کی۔ اس محبت کی خاصیت ظاہر ہوئی۔ اور جتنی جتنی کسی کی محبت تھی' اسی قدر حضور ﷺ کے سینہ مبارک کی دولت (محبت) اس محبّ کے سینہ میں آ گئی۔ پھر صحابہؓ کی صحبت تابعین نے اٹھائی اور تابعین کی تبع تابعین نے۔ اسی طرح حضور ﷺ کا وہی نورِ یقین و معرفت سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا۔ پھر اس سے آگے مشائخ کے سلسلے چلے: چشتیہ' قادریہ' نقشبندیہ اور سہروردیہ (وغیرہ)۔ ان سب کے ہاں سلوک کا دار و مدار صحبتِ شیخ پر ہے۔ جتنی شیخ سے محبت ہوتی ہے' اتنا ہی عرفان و عشق

نصیب ہوتا ہے۔ اگر صحبت کی ضرورت نہ ہوتی تو انبیاء کرامؑ کو نہ بھیجا جاتا اور (الہامی) کتابیں براہِ راست آسمانوں سے نازل کر دی جاتیں۔

☆ اثراتِ ذکر کے بارے میں حضرت رائے پوریؒ کا ایک قول ملتا ہے کہ نہ معلوم لوگ کیا سمجھتے ہیں۔ اثراتِ ذکر تو یہی ہیں کہ دنیا سے بے رغبتی ہو' آخرت کا خیال ہو اور دنیا اتنی جاذبِ نظر نہ رہے۔

☆ حضرت کا ایک اور قیمتی فرمان ہے: یہ بات ضرور یاد رکھیے کہ جب تک انسان اپنے آپ کو بالکل نااہل اور نکما سمجھتا رہتا ہے' تب تک ہی اس کی طرف رحمتِ الٰہیہ متوجہ رہتی ہے' ورنہ (دوسری صورت میں) وہ ترقی کرنے سے رک جاتا ہے ؎

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
وہ سپہ کی تیغ بازی' یہ نگہ کی تیغ بازی!

حضرت رائے پوریؒ تصوف کو تعطل' بے عملی اور جمود کی بجائے دینی کاموں کی زندگی و روح اور اصلاح کا ذریعہ نیز طاقت کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ ایک موقع پر مولانا محمد منظور نعمانیؒ کو مخاطب ہوتے ہوئے خطاب کی صورت میں فرمایا: مولوی صاحب! تصوف دین کے کام چھڑانے کے لیے نہیں ہے' بلکہ اس سے تو دین کے کاموں میں قوت آتی ہے اور جان پڑتی ہے۔ لیکن کیا عرض کیا جائے' اللہ کی مشیت ہے' جن کو اللہ نے دین کے کاموں کے قابل بنایا ہے' وہ اب ادھر توجہ نہیں کرتے' حالانکہ اگر تھوڑی سی توجہ وہ ادھر دے دیں تو دیکھیں ان کے کاموں میں کتنی قوت آتی ہے۔

حضرت خواجہ (معین الدین) صاحبؒ نے' باوا (فرید) صاحبؒ نے اور بعد میں حضرت مجدد (الف ثانی) صاحبؒ' حضرت شاہؒ (ولی اللہ) صاحبؒ اور حضرت سید (احمد شہید) صاحبؒ نے ہمارے اس ملک میں دین کی جو خدمات انجام دیں اور جو کچھ کر دکھایا' اس میں ان کے اخلاص اور قلب کی اس طاقت کو خاص دخل تھا جو تصوف کے راستے سے پیدا کی گئی تھی۔ لیکن اب صورت یہ ہے کہ اس طرف وہی بے چارے آتے ہیں جو بس اللہ' اللہ کرنے کے کام ہی ہوتے ہیں۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں استعدادیں مختلف رکھی ہیں۔ ناقص استعداد کا آدمی اعلیٰ استعداد والوں کا کام نہیں کر سکتا۔

ایک دوسری مجلس میں حضرتؒ کا یہ قول سامنے آتا ہے: اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر وقت اس

کا اور اس کی رضا کا دھیان، فکر رہنا اور اس کی طرف سے کسی وقت غافل نہ ہونا، یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں۔ اور قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کامل ہی نہیں ہوتا۔

کسی صاحب کو بیعت کرنے کے موقع پر حضرت رائے پوریؒ نے (تصوف کے بارے میں) فرمایا کہ تصوف کیا ہے، دنیا کے تمام مباح اور جائز کاروبار کو بھی دین بنا دینا۔ یاد رکھو اگر اس نیت کو سامنے رکھ کر (کہ) یہ کام میں اللہ کے لیے یعنی اس کی رضا کے حصول اور تعمیل احکام میں کرتا ہوں، اس نیت سے یہ کام کیے جائیں تو بہت سی نفلی عبادتوں سے افضل ہو جاتے ہیں۔ بس اس طرح ہر کام کو عبادت بنایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ کام حرام اور مکروہ نہ ہو، کم از کم مباح اور جائز کے درجے کا ہو۔ اس ضمن میں مزید حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریاؒ) سے ایک بزرگ نے دریافت کیا کہ تصوف کیا ہے؟ انہوں نے کیا ہی خوب جواب دیا کہ تصوف تصحیح نیت کا نام ہے، اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اور فرمایا کہ ایک مرتبہ (بڑے) حضرتؒ نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب! لوگ خبر نہیں، تصوف کسے سمجھتے ہیں۔ تصوف، فقاہت کا نام ہے یعنی دین کی صحیح سمجھ۔ نیز حضرت نے فرمایا کہ حضرت شیخؒ نے ابتدائی سرا بیان فرمایا اور حضرتؒ نے انتہائی سرا بیان فرمایا جو تصحیح نیت سے حاصل ہوتا ہے۔

ایک دوسری مجلس میں حضرت رائے پوریؒ کا ارشاد ہوتا ہے کہ میں مسلمانوں کی سیاسی حیثیت سے بھی زیادہ جس چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ زندگی کو غنیمت شمار کرو، ذکر الٰہی میں مشغول رہو اور اخلاق کو سنوار لو کہ آخرت میں ایمان اور عمل کام آئیں گے۔

ایک مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ نے حضرت والاؒ سے عرض کیا کہ حضرتؒ نے ایک دو مرتبہ اپنی مجالس میں فرمایا ہے کہ اب مسلمانوں کو اپنی پستی سے اٹھنے کے لیے سو سال درکار ہیں، بشرطیکہ وہ صحیح راستہ پا کر اس پر عمل کریں۔ وہ کیا کام ہے اور کیسا راستہ ہے، جس کو سو سال میں طے کر کے اپنی پستی دور کی جا سکتی ہے؟ حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ سو سال میں کر لیں تو غنیمت ہے اور پچاس سال میں کر لیں تو کیا بات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس بات کی ضرورت ہے کہ (ان کا) بچہ بچہ کم از کم اتنا پڑھ جائے کہ ہر شخص اخبار بینی کر سکے اور پھر تعلیم میں اتنی ترقی کرے کہ یورپ آج جن علوم کے باعث دوسروں پر قابض اور غالب ہے، خواہ امریکہ ہو خواہ روس، تو مسلمان ان علوم کو ان سے زیادہ یا کم از کم اتنے ضرور حاصل کر لیں، پھر صورت پستی سے اٹھنے کی ہو سکتی ہے۔ ورنہ جو کوئی بھی حکومتِ الٰہیہ کا نعرہ لگاتا

ہے (یا) کسی حکومت مستقلہ کا دعویٰ کرتا ہے، وہ یا تو بے خبر ہے یا فریب دے رہا ہے۔ عرب میں بھی اس کی ضرورت ہے اور عجم میں بھی۔ خواہ پاکستان ہو، خواہ ایران ہو، خواہ ترک ہو، خواہ شام ہو یا مصر یا عراق وغیرہ۔

حضرت رائے پوریؒ کے ارشادات کی روشنی میں ایک مرتبہ ابا جی نے یہ اعتراض کہ حضور پاک ﷺ اور صحابہؓ کے دور میں صوفیاء کے اذکار تو نہیں تھے، کا جواب ایک مثال دے کر یوں دیا کہ صحت مند انسان کو کسی دوائی اور علاج معالجے کی حاجت نہیں ہوتی۔ بیماری کی حالت میں اسے دوا اور ڈاکٹر وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر ہر طبیب اور ڈاکٹر کی تشخیص نیز طریقہ علاج مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں مسلمانوں کا ایمان بہت مضبوط تھا۔ نیز قرآن وحدیث سے ان کا براہِ راست رابطہ تھا۔ یوں قوتِ ایمانی کے لیے انہیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن بعد کے دورِ زوال میں نہ وہ صحبت رہی اور نہ ہی وہ ایمانی طاقت۔ اب صوفیاء کرامؒ نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تشخیص کر کے جذبہ ایمان کو بڑھانے کے لیے، اپنے تجربات کی روشنی میں مختلف اذکار اور ان کا طریقہ کار تجویز کیا، نیز صحبتِ شیخ کو لازم ٹھہرایا، تاکہ شیخ براہِ راست اپنے مرید کی طبیعت کا جائزہ لے کر اذکار اور تسبیحات کا تعین کرے۔ یہ کوئی شرعی حکم یا دین کا حصہ نہیں ہے۔ مطلوب صرف قربِ خداوندی، ایمانی کیفیت کا بڑھانا اور شریعت کی پابندی ہے۔

ایک دوسرے موقع پر ابا جی نے بتایا کہ ذکر کرنے پر اکثر مجھے مختلف مقامات اور مناظر سامنے آتے۔ ایک ایسے ہی موقع پر مکہ مکرمہ میں ابا جی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور نقشہ کچھ یوں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ فرما رہے ہیں۔ ابا جی نے ایک حاضری میں حضرت رائے پوریؒ سے مناظر وغیرہ کے نظر نہ آنے کے بارے میں ذکر کیا تو حضرتؒ نے ارشاد فرمایا: کیا مجذوب بننا چاہتے ہو؟ مزید ارشاد ہوا کہ جو کوئی ان مقامات میں کھو جائے اور آگے نہ بڑھے تو یہی حالتِ جذب بن جاتی ہے۔ پھر آپ نے ایک مثال سے اس کی وضاحت یوں کی کہ ایک شخص کے پاس اپنی سواری ہے اور وہ دہلی سے باہر کسی دوسرے شہر (نام یاد نہیں رہا) جانا چاہتا ہے۔ جب وہ اپنا سفر شروع کرتا ہے تو راستے میں کچھ قابلِ دید مقامات بھی آتے ہیں۔ وہ اپنی سواری وہاں ٹھہراتا ہے اور ان کے نظارے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ لیکن وہاں کھو کر اپنی منزل نہیں بھولتا۔ اس کے برعکس ایک دوسرے شخص کو بھی یہی سفر

درپیش ہوتا ہے۔لیکن وہ راستے کے قابل دید مقامات کی سیر میں ہی کھو کر اپنی اصل منزل سے غافل ہو جاتا ہے۔اسی طرح ایک ذاکر راستے کے مقامات اور مناظر میں نہیں کھوتا اور نہ ہی وہ ان کی طلب کرتا ہے بلکہ ہر دم ذکر کا اصل مقصد اس کے پیش نظر رہتا ہے' کیونکہ اگر ذاکر راستے کے مناظر اور مقامات میں ہی کھو کر رہ جائے تو پھر وہ مجذوب ہی کہلاتا ہے' اصل منزل مقصود اس سے دور ہو کر رہ جاتی ہے۔

ڈائری کے ایک اندراج کے مطابق جب اباجی کے کسی دوست نے حضرت رائے پوریؒ کی مجلس کا حال سنانے کے لیے کہا تو اباجی نے یوں مختصر جواب لکھوایا کہ وسوسہ نہ آئے اور حضوری ہو جائے۔ذکر جہر' ذکر سری' ذکر خفی' تصوف اور سلوک' اسلام پر عمل کا نام ہی ہے۔ مسلمان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سب سے فائق تقاضا کرنے والے حکم کی تلاش میں رہنا اور اس پر عمل کرتے جانا چاہیے۔

کسی دوسرے موقع پر اباجی نے ایک عزیز کو تصوف اور سلوک کے متعلق حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا یہ ارشاد سنایا: یہ انسان کی اندرونی قوتوں کی تربیت کا ایک طریقہ ہے' جسے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غیر مذاہب کے رائج طریقوں کو دیکھ کر تزکیہ نفس کے لیے مرتب کیا۔اسی طرح حضرت رائے پوری کا فرمان ہے: ''ذکر لسانی صرف ایک ذریعہ ہے' مقصود نہیں ہے' مقصود محض یاد (الٰہی) ہے۔''

ایک مرید کو نصیحت کرتے ہوئے شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا ارشاد ہے: تم یہ نہ دیکھو کہ مسلمان کیا کرتا ہے' اس کے کسی فعل کو شریعت نہ سمجھو' تم یہ دیکھو کہ اسلام کیا کہتا ہے' انسان (مسلمان) کا ہر فعل حجت نہیں بن جاتا۔اسی ضمن میں مزید فرمایا: ایک موٹی سی بات ہمیشہ یاد رکھنا' تمہارے سامنے کوئی شخص اگر آسمان پر اڑ کر بھی دکھلا دے' اگر اس کا فعل سنت کے خلاف ہو' خواہ کتنا ہی بزرگ ہو' اس کے پیچھے نہ لگنا۔اور دوسرا شخص اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پوری پابندی کرتا ہے' اس سے کوئی بھی کرامت ظاہر نہ ہو تم اس کے پیچھے لگ جانا۔کسی خاص چیز کی مشق ہندو بھی کر لیتے ہیں' جو جس چیز کی مشق کرے گا اس میں کمال حاصل ہو جائے گا۔کئی کئی روز تک سادھو دم سادھے بیٹھے رہتے ہیں' ایسے ہی مسمریزم ہے' اشارہ ہاتھ کا کرو' چیز اپنی طرف کھنچی ہوئی نظر پڑے گی۔یہ سب شعبدہ بازیاں ہیں۔

آخر میں حکیم الامت شاعر مشرق کے بھی تصوف کے حوالے سے اشعار ملاحظہ فرمالیں:

یہ حکمتِ ملکوتی ' یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی ' یہ مراقبے ' یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ عقل' جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں! (ضربِ کلیم)

اباجی کے نام حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا ایک مکتوب:

کرم فرمائے بندہ ——— زید مجدکم

از احقر عبدالقادر۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا خط آیا۔خیریت و کیفیت معلوم ہوئی۔اپنے اوراد پابندی سے کرتے رہیں اور اپنے مالک کی طرف پوری طرح متوجہ ہوں۔اللہ تعالیٰ فضل فرما دیں گے۔باقی جو جناب نے خواب تحریر فرمائے ہیں' اگر واقعی خواب ہیں' تو اللہ تعالیٰ بہتر کریں۔اگر خیالات ہیں' تو خیر' خیالات تو آتے جاتے رہتے ہیں۔اپنے گھر میں سب کو سلام کہہ دیجیے گا۔آپ کے دوست مولانا علی میاں تشریف لائے ہوئے ہیں' سلام فرماتے ہیں۔

از مولانا عبدالمنان صاحب واحقر عبدالوحید' مولانا عبدالجلیل صاحب سلام مسنون۔۸ جنوری کو ان شاء اللہ لاہور پہنچنا ہوگا۔والسلام

۱۷ جمادی الثانی
از سہارنپور' بہٹ ہاؤس

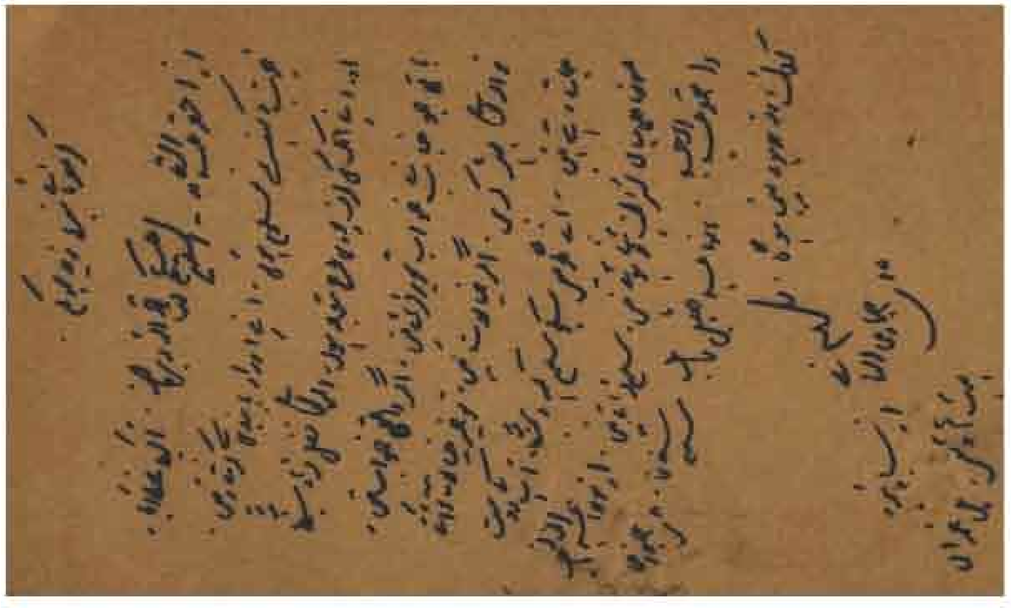

Sep. 2016
Vol. 65

Regd. CPL No. 115
No.9

Monthly Meesaq Labore

قیام پاکستان سے اب تک پاکستان میں انسدادِ سود کی کوششوں — اور حکومتوں، بینکوں اور سود خوروں کی طرف سے سودی نظام کے تحفظ کے لیے اختیار کیے جانے والے ہتھکنڈوں اور اعلیٰ عدالتوں میں جاری قانونی، علمی و فنی بحثوں سے آگاہی کے لیے ایک مختصر مگر جامع کتاب

انسدادِ سود کا مقدمہ
اور
وفاقی شرعی عدالت کے 14 سوال
مع
پاکستان میں انسدادِ سود کی کوششوں کی تاریخ اور مستقبل کے امکانات
از
حافظ عاطف وحید

دیدہ زیب ٹائٹل ❁ امپورٹڈ بک پیپر ❁ 78 صفحات

بلا قیمت حاصل کریں

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے 10 روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کریں!

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور
email: maktaba@tanzeem.org 35869501-3 :فون